

ہندے مائتروم

مسلمانوں کے خاتمے اور عالمی ہندو راج کا گیت

محمد رفیق عالم



نظریہ پاکستان ٹرسٹ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب کے مندرجات کی ذمہ داری مصنف پر ہے

کتاب	:	بندے ماترم مسلمانوں کے خاتمے اور عالمی ہندو راج کا گیت
مصنف	:	محمد رفیق عالم
ناشر	:	نظریہ پاکستان ٹرسٹ
طابع	:	نظریہ پاکستان پرنٹرز
مہتمم اشاعت	:	رفاقت ریاض
ڈیزائنر	:	محمد شہزاد حسین
کمپوزر	:	نوید انور
اشاعت دوم	:	جون 2009ء
تعداد اشاعت	:	1000
قیمت	:	170/- روپے

Published by

Nazaria-i-Pakistan Trust

Aiwan-i-Karkunan-i-Tehreek-i-Pakistan,
Madar-i-Millat Park, 100-Shahrah-i-Quaid-i-Azam, Lahore.
Ph. 9201213-9201214 Fax. 9202930 E-mail: trust@nazariapak.info
Web: www.nazariapak.info

Printed at: Nazaria-i-Pakistan Printers,
10-Multan Road, Lahore. Ph: 7466975



تمام تعریفیں اور کلمہ شکر

اللہ تعالیٰ کے حضور جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔
سارے جہانوں کا مالک اور پالنے والا ہے، سیدھی راہ دکھانے والا ہے،
مدد کرنے والا ہے۔

درود و سلام

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر
جو پوری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے۔

انتساب

اُن بے گناہ انسانوں کے نام
جو دوسروں کو اپنی مرضی کے تابع
بنانے والوں کی ہوس اور بربریت
کا شکار ہو جاتے ہیں!



ابتدائی کلمات

نظریہ پاکستان ٹرسٹ کی غرض و غایت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے مقاصد اور اس کیلئے دی جانے والی قربانیوں کو اُجاگر کیا جائے، نظریہ پاکستان کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اہل وطن بالخصوص نئی نسل کو پاکستان کی نظریاتی اساس اور عظیم تاریخی و تہذیبی ورثے سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے نظریہ پاکستان ٹرسٹ نے وطن عزیز کی نئی نسل کو اپنی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنایا ہے کیونکہ ہماری نسل نو ہی ہمارے ملک و قوم کا مستقبل ہے اور ان کے فکر و عمل کو علامہ محمد اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے افکار و کردار کے سانچے میں ڈھال کر ہی ہم اپنے مستقبل کو زیادہ روشن اور محفوظ بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے نظریہ پاکستان ٹرسٹ ایک ہمہ جہت پروگرام پر عمل پیرا ہے جس میں مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔ ان مطبوعات کے ذریعے ہم نئی نسل کو نظریہ پاکستان، تحریک پاکستان اور مشاہیر تحریک پاکستان کے افکار و تصورات کے بارے میں نہایت ساوہ زبان میں آگہی فراہم کر رہے ہیں اور ان میں اپنے ملک و قوم کے حوالے سے احساسِ تفاخر پیدا کر رہے ہیں تاکہ وہ مستقبل میں اپنی قومی ذمہ داریوں سے زیادہ احسن انداز میں عہدہ برآ ہو سکیں۔

قائد اعظمؒ کی بے لوث اور عہد ساز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے جان و مال اور عزت و آبرو کی بیش بہا قربانیاں پیش کر کے اگرچہ پاکستان تو

حاصل کر لیا مگر ہم اسے قائد اعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے مطابق اسلامی نظریہ حیات کا قابل تقلید نمونہ نہیں بنا سکے۔ بانی پاکستان کے وصال کے بعد قوم کے نام نہاد قائدین نے ان کے نظریات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنا کر اس ملک کو فوجی و سول آمریتوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے تصور پاکستان اور قائد اعظمؒ کی جدوجہد کے باعث اگرچہ ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط اور غلبے سے نجات حاصل ہو گئی مگر آج ہم ایک دوسری طرح کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے گئے ہیں جس سے نجات کے حصول کے لئے ہمیں از سر نو قائد اعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ صرف اسی طرح ہم وطن عزیز کو ایک جدید اسلامی، فلاحی اور جمہوری مملکت بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

قائد اعظمؒ کی زیر قیادت تحریک پاکستان میں طلباء و طالبات نے ہر محاذ پر مسلم لیگ کے ہراول دستے کا کردار ادا کیا تھا اور ان کی شب و روز جدوجہد کے طفیل برصغیر کا ہر گوشہ ”پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ“ کے روح پرور نعروں سے منور ہو گیا تھا۔ بابائے قوم نے بارہا ان کی خدمات کو سراہا تھا اور ان پر اظہارِ فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”یہی ہیں وہ مردانِ عمل جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔“ مجھے قویٰ امید ہے کہ زیر نظر تصنیف کا مطالعہ ہماری نئی نسل میں اس عقابِ روح کو بیدار کر دے گا جو تحریک پاکستان کا طرہ امتیاز تھی اور وہ نظریہ پاکستان کی مبلغ بن کر پاکستان کو علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات سے رہائی دلا کر وطن عزیز کی کشتی ساحلِ مراد تک پہنچائے گی۔

مجید زریں

(مجید نظامی)
چیئرمین

تقریظ

الہامی کتابوں والے پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق پوری دنیا کو امن اور بقائے باہمی کا پیغام دیا۔ آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے ”دین مکمل“ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اسے پوری کائنات کے لیے رحمت اور مکمل ضابطہ حیات قرار دیا جس میں معاشرتی، معاشی، سیاسی اصول، اخلاقی اقدار، انفرادی اور اجتماعی کردار اور تعلق کی اہمیت کے ساتھ ساتھ ذات پات، رنگ و نسل، مال و زر، جبر و ظلم کی برتری کے بجائے اچھے انسان کو قابل احترام مقام اور بلند درجہ دے دیا گیا ہے اور غیر مسلموں کو حفاظت کا مکمل یقین دلایا گیا ہے۔

ایک تاریخی اتفاق ہے کہ براعظم ایشیا کے ایک خطہ پر جہاں 14 اگست 1947ء تک ہندوستان کے نام سے ایک ملک آباد تھا اور مختلف مرحلوں سے گزرنے کے بعد آج بھی موجود ہے وہاں ایک ایسی سوچ تہہ وبالا ہونے کے ساتھ ساتھ طرز زندگی کی صورت اختیار کر گئی جس میں کوئی نبی ہے نہ الہامی کتاب۔ دیومالائی قصے اور توہمات بنیادی عنصر اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں کمزور ہونے سے بچانے کے لیے ”طاقت اور خوف“ ہی دین دھرم، آئین، قانون اور معاشرتی ضابطہ ہیں۔ ذات پات کے چار درجے، برہمن، کشتری، ویش اور شودر (جنہیں یکے بعد دیگرے ”ہریجن“ اور ”دلت“ نام دیئے گئے) ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور نیا درجہ جو سب سے نیچے یعنی پانچواں درجہ ہے وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو معاشرے میں رہن سہن، بنیادی حقوق، تعلیم اور ملازمت میں حصے اور خاص طور پر دفاعی سروسز میں شمولیت کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔

”بندے ماترم“ ایک نفرت انگیز گیت ہے۔ اس کا پس منظر ایک ایسے ڈرامے سے جڑا ہوا ہے جس میں مرکزی نظریہ مسلمانوں کی مسجدوں کو برباد کرنا اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے۔ یہ ان انتہا پسند ہندو تنظیموں کا نعرہ بھی رہا جو خانہ کعبہ پر قبضہ کر کے وہاں ”اوم“ لکھنا چاہتے تھے۔ اس میں درگادیوی کو ماں کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے

بنیادی عقائد کے خلاف ہے۔

1937ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد کانگریسی حکومتوں نے تمام سکولوں میں بندے ماترم گانا لازمی قرار دے دیا تھا جس کی قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے شدید مزاحمت کی تھی۔ تاہم انتہا پسند ہندو اس درجہ آگے چلے گئے کہ برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ کرنا پڑا۔

آج کے ہندوستان میں انتہا پسند ہندو تنظیمیں اس نعرے کو اپنے اندر ”اکھنڈ بھارت یوڈھ“ کی آگ تیز کرنے اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے یا نیست و نابود کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ”بندے ماترم“ مسلمانوں کے نعرہ تکبیر کا جواب ہے۔ اس کا مظاہرہ انہوں نے 1947-46 اور اس کے بعد بھارتی صوبہ گجرات میں مسلمانوں کے حالیہ قتل عام کے دوران کیا ہے۔

ضروری تھا کہ بے خبری میں بندے ماترم گنگنانے یا اس گیت کو مقبول بنانے والی دھن کی موسیقی سے لطف اندوز، نظریہ پاکستان ٹرسٹ اس کے پس منظر سے آگاہ کیا جائے۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ روزنامہ بوائے وقت نے کام نگار جناب رفیق عالم نے جن کی کتاب ”مادری ملت، آبروئے ملت“ سال ”مادری ملت“ کے دوران نیشنل ایوارڈ حاصل کر چکی ہے، مسلمان دشمن اور پوری دنیا پر استحصالی نظام ”رام راج“ کے علمبردار اس زہرے بے گیت کے اصل پس منظر سے نہ صرف پاکستانیوں بلکہ پورے عالم اسلام کو باخبر کرنے کے لیے تحقیق کے بعد یہ کتاب لکھ دی ہے۔ اس کے لیے میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ اس فریضہ کو جاری رکھیں گے۔ موجودہ تینوں نسلوں کے لیے یہ جانتا دہرانا اور اپنانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو مسلمانوں کے لیے ”ہمیشہ دشمن“ قرار دیا ہے وہ کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے اور یہ کہ ہم نے تو آفاقی دین اسلام کے حوالے سے زندگی گزارنا اور دوسروں کو اس نعمت کی افادیت سے روشناس کرانا ہے۔

محمد نزیہ

چیئرمین نظریہ پاکستان ٹرسٹ



بندے ماترم

جدید نام نہاد سیکولر ہندوستان

کا اسلام دشمن قومی گیت ہے



2008ء میں بندے ماترم کی اہمیت

”بندے ماترم“ آج بھی غیر ہندوؤں کے لیے خطرے کا سنگل بنا ہوا ہے۔ ہندوستانی گجرات کے حالیہ صوبائی انتخابات میں مسلمان ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا گیا، ہندو عسکریت پسند گروپ ”بندے ماترم“ کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کو ہراساں کرتے رہے۔ ان کا نشانہ خاص طور پر وہ مسلمان تھے جو ”سانحہ گودھرا ایکسپریس“ کے بعد ابھی تک بے سروسامانی کی حالت میں مختلف جگہوں پر مقیم ہیں اور جن کی حالت کچی اور پسماندہ آبادیوں کے رہائشیوں سے بھی بدتر ہے۔

26 جنوری 2008ء کو ”سیکولر ہندوستان“ کے یوم جمہوریہ پر ہندوستان کا قومی ترانہ ”جنا گنا منا“ پس منظر میں رہا لیکن پورے ہندوستان کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر ”بندے ماترم“ کی جے جے کار ہوتی رہی۔ ”بندے ماترم“ کو دن بدن حاصل ہوتی یہ تقویت ان لوگوں کے لیے ایک وارنگ کے مترادف ہے جو ہندوستان میں اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت بی جے پی، شیو سینا اور بجرنگ دل جیسی انتہا پسند ہندو تنظیمیں اس گیت کو احساس تفاخر پیدا کرنے کے لیے اپنی نئی نسل تک منتقل کر رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مختلف تقریبات میں مسلمانوں کو بھی بندے ماترم کا نعرہ لگانے پر مجبور کر رہی ہیں۔

بندے ماترم

بندے ماترم..... بُت پرستی کا شاہکار ہے

اور مجموعی طور پر مسلمانوں کے خلاف

اعلانِ جنگ ہے

(قائد اعظم محمد علی جناحؒ)

یہ گیت 'بندے ماترم'

میرے دین اسلام کے خلاف ہے

(مولانا محمد علی جوہرؒ)

بندے ماترم

جب ہم ماوروطن سے متعلق یہ گیت بندے ماترم گاتے ہیں
تو ہم اسے پورے بھارت کے لیے گاتے ہیں

(گاندھی)

بندے ماترم یہ وہ جادوئی الفاظ ہیں جو سٹرائنگ روم کے لوہے کے سیف کے دروازے
کھولیں گے، سٹرائنگ روم کی دیواریں توڑیں گے اور ان کے دلوں میں اتر جائیں گے جو
بندے ماترم کی پکار سے غیر وفادار ہیں

(راہندر ناتھ ٹیگور)

بندے ماترم بلاشبہ اور بلاتنازعہ بھارت کا عظیم قومی گیت ہے..... یہ ہماری آزادی کی
تحریک سے جڑا ہوا ہے

(جواہر لال نہرو)

اس گیت نے مصیبت اور پریشانی میں ہمیشہ ہندوستانیوں کو طاقت دی۔ فتح اور شکست
امیری اور غربی میں بندے ماترم نے ہمیشہ حوصلہ دیا ہے

(اٹل بھاری واجپائی)

ہندو دھرم کی اساس

واضح رہے کہ ہندو دھرم میں مستند ذرائع کے مطابق 33 کروڑ سے زیادہ دیوتا اور دیویاں ہیں۔ ذیل میں صرف تین بڑے دیوتاؤں اور دیویوں کی خصوصیات دی گئی ہیں:-

تری مورتی (تین دیوتا)

برہما: خالق کائنات کا نقطہ آغاز
چار سر چار ہاتھ ان میں چھ لونا (قربانی کا سامان) 'مالا' (تہنچ) اور کتاب (وید)
سواری: ہنس
مسکن: میر و پربت
بیوی: سرسوتی (فنون لطیفہ کی دیوی) 'سواری: مور

شیو: پرستاروں کے لیے مہربان، منکروں کے لیے تباہی و بربادی کا دیوتا
سواری: سائڈ
مسکن: کیلاش پربت
بیوی: پاربتی (ہمالیہ کی بیٹی) 'تین روپ: دُرگا، اوما، کالی

ویشنو: رحم کا دیوتا
اس کے روپ میں دس اوتار کا تصور ہے جن میں کرشن رام چندر اور نرسنگھ معروف ہیں۔

فہرست

19..... حرفِ اوّل

بندے ماترم
تخلیق، پس منظر، مقبولیت

25..... بندے ماترم کی فکری تخلیق و تاریخ

27..... بینکم چندر چیٹر جی۔ بندے ماترم کا خالق

31..... ار بند و گھوش۔ بندے ماترم کو زندگی دینے والا

33..... ”آئندہ مٹھ“ کہانی کا خلاصہ اور چند مناظر

41..... بندے ماترم کی اچانک مقبولیت

ہندومت
بندے ماترم کی فکری بنیاد

51..... ہندو اور ہندو دھرم کیا ہے؟

52..... وید

62..... دُرگا

64..... اسلام اور ہندومت

70..... برہمن سماج

75..... آریہ سماج

79..... رام کرشن پر ہمس

82..... چیتنیا

83..... واک نندا

بندے ماترم۔ کل سے آج تک سیاسی اور مذہبی منافرت کا محور

- 87..... کانگریس میں بندے ماترم پر پہلا اعتراض
90..... بندے ماترم، کانگریس اور گاندھی جی
107..... بندے ماترم پر مسلم لیگ کا پہلا احتجاج
109..... قائد اعظم مسلم لیگ اور ”بندے ماترم“

بندے ماترم الفاظ و معانی کا تجزیہ

- 125..... بھارتی قومی ترانہ اور بندے ماترم
128..... جٹا گنا منا
129..... بندے ماترم۔ ہندی
130..... بندے ماترم۔ انگریزی
132..... بندے ماترم۔ اردو
135..... بندے ماترم۔ ہندوستانی پارلیمنٹ اور انتہا پسند ہندوازم
145..... بندے ماترم کا المیہ

حوالہ جات اور کتابیات

- 149..... حوالہ جات
151..... کتابیات
154..... اخبارات، رسائل، الیکٹرانک میڈیا، دستاویزات
155..... اشاریہ

حرفِ اوّل

زندگی میں انسان بہت سے سنے دیکھتا ہے، جاگتی آنکھوں کے خواب، تصورات کی دُنیا، کئی چاہتیں کئی راحتیں، کبھی آہٹ سے ڈرنا اور کبھی بے دھڑک لڑنا، ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہونا اور کسی مرحلے پر اُسے متاثر کرنا، ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پدم نکلے ارماں اتنے زیادہ کہ شمار نہیں کیے جاسکے، پھر بھی افسوس کہ بہت کم تھے اور پورے نہیں ہوئے۔ یہ وہ لمحات ہیں جو انسان کی زندگی کو لطافت اور کثافت، آسودگی اور بے چینی، بے تابی اور بے قراری، گریز اور رجوع، خوشی اور غمی کے احساسات سے آشنا کرتے ہیں۔ جو اچھے لگتے ہیں، وہ رُوح میں اتر جاتے ہیں۔ جن سے تکلیف ہوتی ہے، انہیں بھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی جدوجہد میں کبھی کبھار ایسے زخم بھی لگتے ہیں جو دل کے گھاؤ بن جاتے ہیں۔

اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔ جو ایسا کرنا چاہتے ہیں وہ بعض اوقات اپنی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، فرعون کی طرح جس نے انسانوں کو طبقات میں بانٹنے اور اُن کا خدا بننے کی کوشش کی۔ بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی حدود کی سرحد کو عبور نہ کیا جائے، اس صورت میں کوئی دوسرا بھی آپ کی حدود میں گھس کر بیٹھ سکتا ہے۔

میرا تعلق ایسے گھرانے یا قبیل سے ہے جہاں ”خدا خونی“ کا صرف درس نہیں دیا جاتا، اس کا عملی مظاہرہ کرنے کی سعی بھی ہوتی ہے تا کہ عمر اور رشتے میں چھوٹے، اس کی تقلید کریں۔ اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے، اس لیے شر اور فساد کی سوچ کے خلاف جہاد، جدوجہد کرنا لازم ہے کیونکہ اسلام صرف مسلمانوں کا نہیں، پوری دنیا کے انسانوں کے لیے ہے۔ اسی لیے مجھے بزرگانِ دین کی زندگی کے حالات، واقعات اور تعلیمات بہت اچھی لگتی

ہیں کہ وہاں سے سلامتی اور مسکراہٹ کا درس ملتا ہے، انسانوں سے پیار کرنے کی تلقین کانوں میں اُترتی ہے۔ وہ سب کو پیار اور دعائیں دیتے ہیں۔ اختلاف صرف اُن سے کرتے ہیں جو رُحمن کے بجائے شیطان کے بندے بن جاتے ہیں۔

2003ء میں، مادرِ ملت کے یومِ پیدائش پر کالم لکھنے بیٹھا تو وہ پھیل کر مضمون اور وہاں سے ایک کتاب بن گیا جس کا نام ”مادرِ ملت، آبروئے ملت“ ہے۔ قومی کمیٹی نے اُسے انعام کا حق دار بھی قرار دیا۔ ”بندے ماترم“ سے متعلق یہ کتاب لکھنے کا محرک بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ جنوری کی ایک سردرات میں سو رہا تھا کہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا ماحول بہت تروتازہ لگ رہا تھا۔ ”مجھے کس نے جگا دیا؟“ میں سوچنے لگا۔ ارادہ کیا کہ کمرے سے باہر نکل کر چھت پر جاؤں، شاید چاند آسمان پر چمک رہا ہو وہاں کچھ دیر چہل قدمی سے کوئی بات ذہن میں آ جائے۔

اللہ کا نام لے کر رضائی ایک طرف پھینکی، پاؤں نیچے لٹکائے، اُٹھنے لگا تھا کہ نظر قریب پڑے صوفے پر موجود کلپ بورڈ کی طرف چلی گئی۔ میں نے اُسے اٹھایا۔ پاس ہی قلم پڑا تھا۔ اُسے کھولا، کاغذ پر ”بندے ماترم“ لکھا گیا۔ ساتھ ہی جمائی آگئی۔ میں واپس گرم بستر میں چلا گیا۔ صبح اُٹھا سوچا کہ شاید میں نے خواب دیکھا تھا لیکن وہ خواب نہیں تھا، کلپ بورڈ پر ”بندے ماترم“ لکھا تھا۔

اس کے بعد میں نے ڈھونڈنے اور لکھنے کا عمل شروع کیا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس عمل میں نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن نے اپنے ایک کارکن کی حوصلہ افزائی کی بلکہ خوشی کا اظہار کیا۔ یہ کتاب مکمل ہوگئی مگر..... یہ مکمل نہیں ہے، اس کے کئی اور اہم اور دلچسپ حصے دوسرے ناموں اور کرداروں اور واقعات کے ساتھ انشاء اللہ سامنے آئیں گے کہ تاریخ جاننا، اُسے سمجھنا اور تاریخ بنانا، مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ناگزیر حصہ رہا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ملی جب محترم مجید نظامی نے ”بندے ماترم“ کا مسودہ دیکھتے ہی

اسے جلدی شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور جناب ڈاکٹر رفیق احمد نے نہ صرف اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اقدامات کیے بلکہ قیام پاکستان کے حوالے سے مزید حقائق کو سامنے لانے میں دلچسپی ظاہر کی۔

میرے لیے اعزاز ہے کہ مجھے میاں عزیز الحق قریشی، پروفیسر احمد حسین صاحب اور ڈاکٹر مسکین علی حجازی جیسے تمام احباب کی محبت ملی جنہوں نے اپنے مشوروں سے میرے حوصلوں کو مزید بڑھایا۔

میں اپنے تمام نوجوان دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کی تزئین اور تکمیل میں بھرپور جذبوں کے ساتھ حصہ لیا۔

میں اس تحقیق میں معاونت کے لیے ڈاکٹر نذیر قیصر لاہری، ایوان کارکنان تحریک پاکستان، لاہور اور دیال سنگھ (ٹرسٹ) لاہری، نسبت روڈ، لاہور کے منتظمین کا شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو رہا ہے۔ دونوں کتابوں کو انٹرنیٹ پر جاری کرنے کے علاوہ اندرون اور بیرون ملک اہتمام سے متعارف کرایا جائے گا کہ میری وارث نسل اور خود میری نسل کے لوگوں کو سچ جاننا چاہیے اور چانکیہ ازم اور ”شیوا ازم“ کے مکارانہ حربوں سے بچنا اور بچانا چاہیے۔

اس کی ضخامت جان بوجھ کر کم رکھی گئی ہے کہ پڑھنے کا مزہ اور سمجھنے کی صلاحیت دونوں زندہ اور رواں رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اُن لوگوں کی راہ پر جن پر اُس نے اپنا انعام نازل کیا (آمین)۔

بندے ماترم

تخلیق، پس منظر، مقبولیت

بندے ماترم کی فکری تخلیق و تاریخ

”بندے ماترم“ کا جنم بنگال کے ایک ناول نگار صحافی اور کسی حد تک شاعر بھی، بینکم چندر چیٹر جی کے ذہن سے ہوا۔ یہ مخلوط زبان ترانہ تھا جسے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق پال پوس کر بینکم 1875ء میں اپنے بنگالی اخبار ”بنگ درشن“ میں پہلی بار شائع کیا۔ اس کے پہلے دو بند سنسکرت اور باقی بنگالی زبان میں تھے۔ بینکم چیٹر جی نے جو خود بھی بنگال کا منفرد مصنف بننا چاہتا تھا، یہ گیت وہاں کے ایک شاعر دوست نوین چندر سین کو دکھایا جس نے پڑھنے کے بعد اسے ناکارہ اور جنتر منتر قرار دے دیا۔ نوین چندر سین کے الفاظ میں:-

”اچھا ہے لیکن تم نے آدھی بنگالی اور آدھی سنسکرت کے ان میل جوڑ توڑ سے اسے ناکارہ بنا دیا ہے۔ اس (کو پڑھنے) سے مجھے گووند ادھیکاری کے جنتر گیت یاد آتے ہیں جنہیں لوگ پسند نہیں کرتے۔“

نوین چندر سین کی بات تیس سال تک صحیح ثابت ہوئی۔ بینکم نے اپنے دوست کی رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے ایک معروف گلوکار اور موسیقار جاد یو بھٹ سے کہا کہ وہ اس گیت کی خوبصورت دلکش دُھن بنائے۔ بھٹ نے دُھن بنائی لیکن گیت معروف نہیں ہو سکا۔ لوگوں نے اس میں دلچسپی نہیں لی۔

بینکم چیٹر جی نے اسے مقبول عام بنانے کے لئے 1882ء میں ایک متنازعہ ناول ”آئندہ مٹھ“ لکھا جس میں مسلمان حکمرانوں کو نفرت کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ڈرامائی رنگ رکھنے والے اس ناول میں یہ گیت جوڑ دیا گیا لیکن بات نہ بن سکی، یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

تین سال بعد معروف بنگالی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے ”بندے ماترم“ کے لیے نئی دھن تیار کی لیکن یہ گیت مقبول نہیں ہو سکا۔

بینکم نے ”بندے ماترم“ کو بنگالی ترانہ کے طور پر لکھا تھا جس میں دُرگادیوی کو مخاطب کیا تھا اور بنگال کے علاقائی حسن اور نظاروں کی تعریف کی گئی تھی¹۔

1885ء کے پورے بیس سال بعد اس گیت کو موقع کے مطابق استعمال کرنے کا چانس مل گیا جو توقع سے زیادہ کامیاب رہا 1905ء میں انتظامی سہولت کے لیے لارڈ کرزن نے تقسیم بنگال کا اعلان کیا جس کے تحت یہ صوبہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کولکتہ بدستور مغربی بنگال کا دارالحکومت رہا جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی جبکہ مشرقی حصے کا دارالحکومت ڈھاکہ بنایا گیا۔ اس فیصلے کے تحت مسلمانوں کو اپنی معیشت سنبھالنے اور آگے بڑھنے کا موقع مل سکتا تھا۔ یہ اعلان ہوتے ہی ہندوؤں نے پورے بنگال میں نفرت اور احتجاج کی آگ پھیلا دی اور بندے ماترم کو بنگالی قومی گیت کی حیثیت سے اپنالیا گیا۔ برطانوی حکومت نے اس گیت کے گانے حتیٰ کہ بندے ماترم کا نعرہ لگانے پر بھی پابندی لگا دی جس سے گیت کی مقبولیت راتوں رات آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی²۔

ایک دلچسپ بات یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ جب تقسیم بنگال کے فیصلے کے بعد ہندوؤں کے مظاہرے شروع ہوئے تو برطانوی حکومت نے بندے ماترم گانے اور اس کے نعرے لگانے پر پابندی لگا دی تھی لیکن اس دوران پہلی جنگِ عظیم کے محاذوں پر برطانوی حکومت کی طرف سے لڑنے والی بنگالی رجمنٹ کو بندے ماترم گاتے ہوئے جرمن مورچوں پر حملے کی اجازت دے دی تھی³۔

بینکم چندر چیٹر جی۔ بندے ماترم کا خالق

بینکم چندر چیٹر جی کا تعلق ہندو دھرم کی ذات برہمن سے تھا۔ وہ 27 جون 1838ء کو بنگال کے ضلع چوبیس پرگنہ کے دیہات کنتل پاڑہ میں پیدا ہوا۔ اُس کے پتا جی یادو چندر چیٹر جی سرکاری ملازم تھے۔

لفظ ”بینکم چندر“ کا مطلب بنگالی زبان میں ہے چودہویں سے اگلی رات کا چاند چاند مہینے کے وسط میں پوری آب و تاب سے روشن ہوتا ہے، پھر روشنی آہستہ آہستہ آنے والی راتوں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ شاید ماں باپ نے سوچا ہو کہ اس بچے کے ذریعے ان کے خاندان کی عزت میں اضافہ ہو۔ اس لیے بینکم چندر نام رکھا گیا۔ لفظ بینکم کا مطلب ”بُھکا ہوا“ بھی ہے۔ اس معانی کے بارے میں بینکم چیٹر جی کہتا تھا کہ انگریز (حکمران) کے جوتے کی ٹھوکر نے اُس کی کمر بھکا دی ہے۔

بینکم چندر کم عمر تھا کہ اُس کے پتا جی کا تبادلہ بطور ڈپٹی کلکٹر مدنا پور ہو گیا جہاں اس کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ وہ خاصا ذہین اور تیز طرار طالب علم سمجھا جاتا تھا۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اُس نے محسن کالج، ہنگلی میں داخلہ لے لیا جہاں اس نے چھ سال گزارے۔

اُس کی کھیلوں میں دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی وہ اپنا زیادہ وقت مطالعہ میں گزارتا تھا اور سنسکرت میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اسی لیے جب اس نے کتابیں اور ناول لکھے تو اس میں سنسکرت کے مطالعہ سے استفادہ بھی کیا۔

1856ء میں اُس نے پریذیڈنسی کالج کولکتہ میں داخلہ لیا۔ اگلے سال 1857ء میں جنگ آزادی ہوئی۔ اس جنگ کے دوران کولکتہ خاموش اور الگ تھلگ رہا۔ بینکم نے بی

اے کا امتحان پاس کر لیا تو کوکلتہ کے لیغٹینٹ گورنر نے اس کی تقرری بطور ڈپٹی کلکٹر جیسور کر دی۔ دورانِ ملازمت اس نے بی ایل ڈگری کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ بینکم نے سرکاری ملازمت میں بتیس سال کا عرصہ گزارا اور 1891ء میں ریٹائر ہوا۔ ملازمت کے دوران ہی وہ ایک جریدے ”بنگ درشن“ کا ایڈیٹر بھی تھا جس کا پہلا شمارہ اپریل 1872ء میں منظر عام پر آیا۔ پہلے شمارے میں بینکم نے لکھا ”میں انگریزی یا انگریزوں کے خلاف بُرے جذبات نہیں رکھتا۔ انگریزی کو جتنا پڑھا جائے بہت اچھا ہے لیکن خالص چاندی، ملمع والے تانبے سے بہتر ہے۔ ایک سچا بنگالی اس سے بہتر ہے جو خود کو انگریز بنا کر پیش کرتا ہے“ 1875ء میں اُس نے بندے ماترم پہلی بار اسی جریدے میں شائع کیا 1882ء میں سرکاری ملازم ہونے کے باوجود بینکم چیئر جی نے متنازعہ ناول ”آئندہ“ لکھا جس میں کہانی کے ایک جزو کی حیثیت سے ”بندے ماترم“ کو بھی شامل کیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا ”بنگ درشن“ اساتذہ مہینے کی پہلی بارش کی طرح تھا۔ ہندو کیلنڈر کا یہ مہینہ جون جولائی میں آتا ہے۔ اس کی پہلی بارش زمین میں زندگی کی نئی لہر لاتی ہے۔

بینکم چیئر جی کا تعلق چونکہ برہمن گھرانے سے تھا، اس لیے اس میں دھرم کی باتیں زیادہ ہوتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی یا ترا پر جانے سے پہلے ماں باپ کے پاؤں دھو کر پانی ساتھ لے جاتا تھا۔ بچپن سے ہی اُسے ہندو دھرم کی باتیں سکھائی گئیں۔ اس لیے کم عمری میں وہ رامائن اور مہا بھارت کے بارے میں خاصا علم رکھتا تھا۔ ان کتابوں میں درج واقعات نے اس کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ اُسے ملازمت کے دوران مختلف علاقوں میں رہنے کا موقع ملا اور اس نے زندگی میں پیش آنے والے تمام واقعات کی آمیزش اپنی نظموں، مضامین اور ناولوں میں کی۔

جب بینکم چیئر جی نے لکھنا شروع کیا تو بنگال میں سوچ کی نئی لہر جنم لے رہی تھی۔ وہ راجہ رام موہن رائے کی نئی سوچ سے متاثر تھا۔ رائے چاہتا تھا کہ نئے تصورات کو ہندوستان اور ہندوؤں میں آنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس نے ایک نئے تعلیمی نظام کے لیے کوشش بھی کی۔ دوسری طرف بنگال سے تعلق رکھنے والے ایشور چندر اودیا ساگر نے بھی بینکم کو متاثر کیا تھا جو بنگالی معاشرے کی ترقی کے لیے کام کرنا چاہتا تھا۔

بینکم نے شروع میں نظمیں لکھیں۔ پھر انگریزی میں ایک ناول لکھا لیکن اس کے بعد بنگالی میں ناول لکھے۔ پندرہ ناول میں سے صرف ”آئندہ مٹھ“ معروف ہوا۔ بینکم چیئر جی کی ہندو دھرم سے متعلق بھی چار کتابیں منظر عام پر آئی تھیں۔

اکثر ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بھگوان کرشن خدا کا روپ ہے اس لیے وہ کرشن کی پوجا کرتے ہیں لیکن بھگوان کرشن کے ساتھ کئی ایسے عقیدے بھی جڑے ہوئے ہیں جن سے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کرشن پوجا کے لائق ہے؟ مثلاً کہا جاتا ہے کہ کرشن کی سولہ ہزار بیویاں تھیں۔ تاہم بینکم چیئر جی نے مہا بھارت، ہری دیش اور پرانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ”کرشن چرت“ میں لکھا کہ کوئی دھرم یا زندگی گزارنے کا طریقہ کرشن کے بتائے ہوئے دھرم اور زندگی سے ارفع نہیں ہے۔ کرشن بذاتِ خود مقدس ہے۔ بینکم نے اس کے علاوہ ”دھرم تھو“ اور دیواتھو“ کے علاوہ بھگوت گیتا پر جائزہ بھی لکھا۔

ملازمت کے دوران جیسور میں بینکم چیئر جی کی ملاقات ایک معروف بنگالی ڈرامہ نگار دینا بندھو متراسے ہوئی۔ دونوں گہرے دوست بن گئے۔ جب ”آئندہ مٹھ“ لکھا گیا تب دینا بندھو متراس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ بینکم نے اس ناول کو اپنے دوست کے نام سے منسوب کیا۔

بینکم چیئر جی سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد تین سال زندہ رہا۔ اس

دوران وہ تنہائی پسند اور بیمار ہو گیا تھا 1894ء میں وہ اس جہان سے رخصت ہو گیا۔
 بینکم چندر چیٹر جی کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی گیارہ سال کی عمر میں ہوئی،
 اس کی بیوی کی عمر تب پانچ سال تھی۔ بائیس سال کی عمر میں جب وہ ضلع جیسور کا ڈپٹی کلکٹر
 تھا، اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد دوسری شادی راج لکشمی دیوی سے کی۔ اس
 کی اولاد میں صرف تین بیٹیاں ہی تھیں۔ بینکم چندر چیٹر جی کی سب سے چھوٹی بیٹی اُتیل
 کماری نے خودکشی کر لی تھی۔



ار بند و گھوش — بندے ماترم کو زندگی دینے والا

ار بند و گھوش 1872ء میں بنگال کے شہر کولکتہ میں پیدا ہوا تھا۔ سات سال کی عمر میں اُسے انگلستان بھیج دیا گیا۔ وہ وہاں 14 سال تک رہا اور کیمبرج یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے 21 سال کی عمر میں ہندوستان واپس آیا۔ وطن واپسی کے بعد اس نے سنسکرت سیکھی اور اپنے مطالعہ کو وسیع کرنے لگا۔ وہ برہموسماں تحریک کے معروف رہنما وک منندہ سے بہت متاثر تھا۔

جب تقسیم بنگال کا اعلان ہوا، ار بند و گھوش بڑا وہ شہر میں تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ اچانک کولکتہ واپس آ گیا۔ یہاں اسے بنگال نیشنل کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اُسے 'بندے ماترم' بہت پسند تھا۔ چنانچہ اُس نے 1906ء میں ہفت روزہ "بندے ماترم" کی اشاعت شروع کر دی اور سودیشی تحریک کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ دوہری ذمہ داری کے باعث اس نے بہت جلد کالج انتظامیہ سے اپیل کی کہ اُسے تدریس کی ذمہ داریوں سے فارغ کر دیا جائے۔ سبکدوشی کے بعد اُسے دوسرے شہروں میں جانے کی آزادی مل گئی۔ 29 جنوری 1908ء کو ضلع برار کے شہر امراتی میں نیشنل سکول کے گرینڈ اسکوائر میں اُس نے 'بندے ماترم' کے بارے میں لیکچر دیتے ہوئے اُسے "مقدس گیت" اور بینکم چیر جی کو ایک "رشی" قرار دیا۔ اسی سال اس نے بندے ماترم کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو بے ربط بندے ماترم سے کہیں زیادہ زوردار تھا۔

1908ء میں ہی ار بند و گھوش نے اپنے بھائی کی فرمائش پر "بھوانی مندر" کے عنوان سے ایک پمفلٹ لکھا جو خفیہ زیر زمین تشدد آمیز سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ چنانچہ 1908ء میں اسے بھائی سمیت علی پور بم کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک سال کے بعد بھائی کو سزا سنائی گئی لیکن اسے بری کر دیا گیا۔ تاہم اس دوران وہ ایک مقبول بنگالی قوم پرست کی حیثیت سے

تسلیم کیا جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معروف لیڈر بابو پن چندر پال اس کی کولکٹہ میں آمد کے موقع پر جیل میں تھے اور دوسرے لیڈر اُپادھیائے براہم بندھو کی موت واقع ہو گئی تھی۔ چنانچہ تحریری اور تقریری خوبیوں نے اربند و گھوش کو لیڈر بنا دیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

جیل کے دوران ہی اربند نے سیاست سے توبہ کر کے مذہب کی طرف رجوع کر لیا۔ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے باہر آتے ہی نیا رسالہ ”کرم یوگن“ کے نام سے شروع کر لیا کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں ”بندے ماترم“ بند ہو گیا تھا۔ تاہم حکومت اسے برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جونہی اربند و گھوش کو اطلاع ملی کہ حکومت اسے ملک بدر کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے تو وہ کولکٹہ سے پانڈی چری چلا گیا اور وہاں ”روحانی گرو“ بن کر بیٹھ گیا۔ وہ ”غیر متشدد“ (PASSIVE RESISTANCE) کی سوچ لے کر جیل سے باہر آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب کوشش کے باوجود قوی جدوجہد کامیاب نہ ہو تو بھگوان اوپر سے کسی کرم یوگی (مقدور سنوارنے والے) کو بھیجتا ہے۔ جب 1916ء میں مسٹر گاندھی ہندوستان کی سیاست میں متعارف ہوئے تو اربند و خوش تھا کہ اس کی سوچ سچ ثابت ہوئی لیکن گاندھی جی نے ”غیر متشدد مزاحمت“ کے فلسفہ کو مسترد کرتے ہوئے ”ستپگرہ“ کا فلسفہ پیش کر دیا۔ تاہم ہم کے مقدمے کے دوران اس کا انتہا پسند وکیل اربند و کا معتقد ہو گیا تھا۔ یہ وکیل چترنجن داس تھا جو دیش بندھو کہلواتا تھا اور 1920ء میں کانگریس کا صدر بنا۔ سبھاش چندر بوس بھی اربند و گھوش سے متاثر تھے 1921ء میں برطانوی حکومت نے سبھاش چندر بوس اور چترنجن داس دونوں کو گرفتار کر لیا تھا۔

اربند و گھوش 1950ء میں اس جہان سے رخصت ہوا۔ اس وقت ہندوستان آزاد ہو گیا تھا مگر بنگال ایک بار پھر تقسیم ہو گیا تھا۔

”آئندہ مٹھ“ کہانی کا خلاصہ اور چند مناظر

”آئندہ مٹھ“ کی کہانی بنگال میں 1773ء کے قحط کے پس منظر سے شروع ہوتی ہے۔ اس وقت انگریز حکمران تھے۔ لوگ ان سے خوفزدہ تھے۔ بھوک اور غربت نے بنگال کو تڑھال کر رکھا تھا۔ اس سے پہلے 1751ء میں نواب سراج الدولہ جنگِ پلاسی میں اپنے لوگوں کی غداری کے باعث شکست کھا گئے تھے۔

ناول میں بتایا گیا ہے کہ ایسے حالات میں ایک شخص ستیانند دھرتی ماتا کے دکھ درد کو دور کرنے کے لیے سامنے آتا ہے۔

کہانی اس طرح ہے کہ قحط زدہ بنگال کے ایک گاؤں ”پدچنا“ میں ایک مال دار شخص مہندر اس کی بیوی کلیانی اور اس کا اکلوتا بیٹا رہتے ہیں۔ قحط انہیں بھی گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ جنگل کی طرف جاتے ہیں جہاں بھوک سے مارے لوگ اور سنیاسی لوگوں کا ایک گروہ ستیانند کی سربراہی میں انگریزوں کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ مہندر اور اس کی بیوی بچے گم ہو جاتے ہیں۔ کلیانی اور بچے کو لوگ پکڑ لیتے ہیں۔ وہ اتفاق سے بچ جاتی ہے اور ستیانند اُسے پناہ میں لے لیتا ہے۔ ستیانند ایک سنیاسی بھاونند سے کہتا ہے کہ کلیانی کے شوہر کو تلاش کرے۔ بھاونند کو مہندر مل جاتا ہے لیکن ان دونوں کو برطانوی کمپنی کے سپاہی پکڑ لیتے ہیں اور رسوں سے باندھ کر ایک بیل گاڑی میں پھینک دیتے ہیں جس میں وہ دولت کے صندوق لے جا رہے ہیں۔ بھاونند اور مہندر رسیاں کاٹ کر فرار ہو جاتے ہیں بعد میں سنیاسی دولت سے بھرے صندوق بھی چھین لیتے ہیں۔

مہندر اپنی بیوی سے مل جاتا ہے اور اس کے کہنے پر سنتان لوگوں کے گروپ میں شامل ہو جاتا ہے تاکہ آزادی کی جدوجہد میں حصہ لے سکے۔ دریں اثنا کلیانی ایک دن پانی میں ڈوب جاتی ہے لیکن ایک سنیا سی جیونند اسے بچا لیتا ہے اور اسے اپنی بیوی اور بہن کے پاس چھوڑ دیتا ہے۔

قحط کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے۔ گاؤں ویرانہ بن جاتا ہے۔ ایک طرف جنگلی جانور اور دوسری طرف چور اس کا رخ کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کا گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز اپنے ایک کیپٹن تھامس کو ذمہ داری سونپتا ہے کہ سنیا سیوں کا صفایا کر دے۔ تھامس کو شکست ہوتی ہے اور وہ مارا جاتا ہے۔ دوسری طرف جنگ جیت لینے کے بعد بھاؤنند بندے ماترم گاتا ہوا مر جاتا ہے۔

فاتح ستیانند واپس اپنے مرکز ”آئند مٹھ“ آتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات ایک تصوراتی انسان سے ہوتی ہے جو آنے والے کل میں ہونے والے واقعات کے بارے میں بتاتا ہے۔ ستیانند اس کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ وہ مزید برطانوی حکمرانی نہیں چاہتا۔ یہی ناول کا اختتام ہے۔

ناول ”آئند مٹھ“ میں مسلمانوں کی تذلیل کی گئی ہے۔ اس ناول میں مسلمانوں کا صفایا کرنے کے علاوہ ان کے دینی شعائر پر کیچڑا چھالا گیا ہے۔ ایک جگہ بینکم چندر چیٹرجی نے لکھا ہے:-

”دیہات کے لوگ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے دوڑ پڑے جو وہاں سے گزر رہے تھے۔ رات کو کچھ لوگ گروہوں کی شکل میں منظم ہو گئے اور مسلمان آبادی کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے ان کے گھر جلا ڈالے اور ہر چیز کو ٹوٹ لی۔ بہت سے مسلمان مارے گئے کئی مسلمانوں نے اپنی داڑھیاں مونڈ لیں اور جسم پر بھجھوت مل لیا اور وہ ”ہری“ کا نام چنے

لگے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ہندو ہیں۔ خوفزدہ مسلمان ٹکڑوں میں شہر کی طرف بھاگنے لگے۔ مسلمان کہہ رہے تھے ”اللہ اللہ! کیا قرآن شریف اتنے عرصے کے بعد غلط ثابت ہو گیا۔ ہم تو پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں لیکن کھڑاویں پہننے والے ہندوؤں کو ختم نہیں کر سکے۔ یہ تو سب غلط ہو گیا“¹۔

ایک اور جگہ ہیرو جیونندا اپنے ہاتھ میں تلوار پکڑے مندر کے دروازے پر کھڑا ہے اور کالی (ماتا) کے بچوں سے کہتا ہے:-

”ہم نے اکثر مسلمان حکمرانوں کے اس پرندے کے گھونسلے کو توڑنے کا سوچا ہے دھرم بدلو لوگوں کے شہر کو گرانے اور سمندر میں پھینکنے کا سوچا ہے جانوروں کے باڑے کو راکھ کا ڈھیر بنانے اور دھرتی ماتا کو پھر سے برائیوں سے آزاد کرانے کا سوچا ہے۔ دوستو! وہ دن آ گیا ہے۔“

ایک اور منظر میں ایک اور کردار کہتا ہے۔ ”کیا وہ دن آئے گا جب ہم مسجدیں توڑ پھوڑ ڈالیں گے اور ان کی جگہ مندر بنائیں گے؟“

(ناول میں جیتنے والا گروہ کھڑاویں پہننے والے سناتن منیا سیوں پر مشتمل بتایا گیا ہے)

ناول کا آغاز

ناول کا آغاز ایک بڑے گھنیرے جنگل سے ہوتا ہے جس میں مختلف قسموں کے درخت ہیں جن کی شاخیں اور پتے اتنے گھنے اور ایک دوسرے سے یوں اُلجھے ہوئے ہیں کہ سورج کی روشنی ان پتوں کے بیچ میں سے بمشکل گزر سکتی ہے۔ وہاں ہر جگہ پتے ہی پتے ہیں جن کا کوئی سرا نظر نہیں آتا۔ وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ دن چڑھے بھی سورج کی روشنی بہت کم ہوتی ہے اس وجہ سے خوف آتا ہے۔ لوگ جنگل میں جانے کی جرأت نہیں کرتے۔ پتوں کی سرسراہٹ اور جانوروں اور پرندوں کی چیخوں کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ جنگل تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ دل پر دہشت طاری کر دینے والی تاریکی، کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ اس اندھیرے اور خاموشی میں ایک مردانہ آواز سنائی دیتی ہے:-

”کیا میری دلی مراد پوری نہیں ہوگی؟“

جواب میں خاموشی طاری ہے۔

”کیا میری مراد پوری نہیں ہوگی؟“ دوبارہ آواز آتی ہے۔

خاموشی بدستور موجود ہے۔

”کیا میری دلی مراد پوری نہیں ہوگی؟“ تیسری بار آواز بلند ہوتی ہے۔

اب جواب آتا ہے لیکن دراصل وہ خود ایک سوال ہے ”تم اس کے بدلے میں کیا

دو گے؟“

”وہ تمام جو میرا ہے دینے کو تیار ہوں، حتیٰ کہ میں اپنی جان بھی دے دوں گا۔“

پہلی آواز جواب دیتی ہے۔

”جان آخر ہے کیا، کوئی شخص بھی جان دے سکتا ہے۔“

”تب اور کیا چاہئے میں اور کیا دے سکتا ہوں۔“

جواب آتا ہے ”اپنے آپ کو اس کے نام کر دینا ہوگا، بھگتی اپنا نا ہوگی۔“

اس کے بعد ”بندے ماترم“ شروع ہو جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے کے اندر دھرم

کے حوالے سے تحریک پیدا کی جائے جس کا مرکز دھرتی ماں ہو اور دھرتی ماں کے سوا کوئی اور ماں نہ سمجھی جائے۔

درج ذیل منظر ”آند منٹھ“ کے چوتھے حصے کے آٹھویں باب میں ہے جس کا

انگریزی میں ٹی ڈبلیو کلاؤک نے ترجمہ کیا۔ اس میں ”ستیا نند“ نامی کردار سنیا سی باغیوں کا

سردار نظر آتا ہے جس نے ابھی ابھی مسلم افواج اور ان کے برطانوی افسروں پر فتح حاصل کی ہے۔ اُس کے سامنے ایک ہیولا اُبھرتا ہے جو بھگوان (God) کی زبان میں بولتا ہے اور اسے لڑائی بند کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ منظر اس ہدایت کے جاری ہونے کے بعد کا ہے۔ ستیانند: مسلمانوں کی شکست کو نشٹ کر دیا گیا ہے لیکن ابھی ہندو کی راج داری قائم نہیں ہوئی ہے۔ پرنتو، انگریز بھی کو لکتہ کو قابو کیے ہوئے ہیں۔

وہ: اگر تم یہی کام کرتے رہے جو کر رہے ہو تو ہندو راج ابھی قائم نہیں ہوگا۔ منش (انسان) بغیر کسی مقصد کے مارے جائیں گے۔ اس لیے آؤ۔ ستیانند: (لہجے میں تکلیف) اے بھگوان، پرنتو ابھی ہندو راج قائم ہونے نہیں جا رہا تو راج کس کا ہوگا؟ کیا مسلمان بادشاہ پھر سے واپس آئیں گے؟؟۔

وہ: نہیں۔ انگریز راج کرے گا۔

ستیانند آفسو بھری آنکھوں کے ساتھ اُس مورتی کی طرف مڑتا ہے جسے وہ دھرتی ماں کہتا ہے:-

ستیانند: ہے میری مینا، میں تجھے چھڑانے میں اسپھل (نا کامیاب) رہا۔ تم ایک بار پھر ملیچھوں کے ہاتھوں میں چلی جاؤ گی۔ اپنے بیٹے کو شما (معاف) کر دینا ہے میری مینا، میں رن بھومی میں کیوں نہ مارا گیا؟

وہ: دُکھی نہ ہو تم نے دولت جیتی ہے لیکن تشدد اور ڈاکے سے کیونکہ تمہارا ذہن صاف نہیں تھا۔ زہریلے پیڑ سے کوئی بیٹھا پھل نہیں اُگتا۔ تم ایسا کر کے اپنے دلش کو کبھی آزاد نہ کرا سکو گے۔ اب جو بھی ہوگا، بھلائی کے لیے ہوگا۔ انگریز راج کے بغیر ہمارے لافانی دھرم کے دوبارہ اُبھرنے کی کوئی آشا نظر نہیں آتی۔ میں تمہیں وہ بتاتا ہوں جو سیانوں نے کہا ہے۔ سچا دھرم 33 کروڑ بھگوانوں کی پوجا سے حاصل نہیں ہوگا۔ یہ بے ہودگی ہے، بے

بنیاد دھرم ہے جس نے اُسے چھپا دیا ہے جو اصل میں سچ ہے۔ صحیح ہندومت، علم میں ہے، جنگ میں نہیں۔ علم دو قسم کا ہوتا ہے، وجودی اور روحانی۔ روحانی علم، ہندومت کا ضروری حصہ ہے۔ اگر کسی کارن وجودی علم پہلے نہیں آتا تو روحانی علم کبھی پیدا نہیں ہوگا۔ اگر تم وجودی علم نہیں سمجھو گے پرنتو تم اپنے اندر مضبوط روح پیدا نہیں کر سکو گے۔

بہت سے ہو گیا ہمارا وجودی علم غائب ہو گیا ہماری دھرتی سے اسی کارن صحیح دھرم بھی چلا گیا۔ اگر تم صحیح دھرم کو پھر سے لانا چاہتے ہو، پرنتو تمہیں سب سے پہلے وجودی علم پڑھانا ہوگا۔ ایسا علم اس ملک میں کوئی نہیں جانتا کیونکہ کوئی پڑھانے والا نہیں ہے۔ اسی لیے ہمیں، بدیشیوں سے یہ علم سیکھنا چاہیے۔ انگریز اس علم میں خاصے ماہر ہیں اور خاصے اچھے گورو بھی ہیں۔ پرنتو اسی لیے ہمیں انگریز راج کو بنانا چاہیے۔ جب بھارت واسیوں نے انگریزوں سے وجودی علم سیکھ لیا تو وہ روحانی علم کو بھی سمجھ پائیں گے۔ تب ہمارے صحیح دھرم میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ تب صحیح خود بخود چمک اُٹھے گا۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا اور جب تک ہندو، باشندے اچھے اور مضبوط نہیں ہوتے، انگریز شکست اٹوٹ رہے گی۔ انگریز راج میں ہمارے لوگ خوش ہوں گے۔ ہمارے دھرم کی سکھشا (تعلیم) میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اسی لیے اے سمجھ دار! انگریز کے خلاف جنگ بند کرو اور میرے پیچھے چلو!

ستیا نند: میرے بھگوان، اگر تیری اچھا (مرضی) یہی تھی کہ انگریز راج قائم ہو اور اگر..... اس سے (وقت) برطانوی راج، اس دھرتی کے لیے اچھا ہے، تو مجھے اس ہتاری جنگ میں کاہے کو پھینک دیا؟

وہ: اس سے انگریز تاجر ہیں۔ اُن کے دماغ دولت سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ راج داری کی ذمہ داری لینا نہیں چاہتے لیکن اگر ”بچوں“ نے بغاوت کر دی، تبھی وہ راج داری سنبھال لیں گے کیونکہ اگر انہیں پیسہ نہیں چاہیے تو وہ نہیں لیں گے۔ غدر اسی لیے ہوا

کہ انگریز تخت پر بیٹھ جائے۔ اب میرے ساتھ آؤ اب تم سمجھ جاؤ گے۔
ستیا نند: میرے بھگوان مجھے علم نہیں چاہیے۔ سکھشا نہیں چاہیے۔ میں نے ایک نعرہ مارا
تھا اور میں اسے (جاری) رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے میری اپنی ماں سے محبت میں کمزور نہ
بنائیے۔ مجھ پر دیا (رحم) کریں۔

وہ: تمہارا نعرہ پورا ہو گیا ہے۔ تم اپنی ماں کے لیے خوشی بختی لائے ہو۔ تم نے انگریز
راج قائم کر دیا۔ اپنی لڑائی ترک کر دو۔ لوگوں کو اپنے اپنے بل چلانے دو۔ زمین کو فصل سے
اور لوگوں کو دولت سے امیر ہونے دو۔

ستیا نند: (روتے ہوئے) میں اپنی ماں دشمنوں کے خون میں فصل بو کر اپنی ماں کو امیر
بناؤں گا۔

وہ: دشمن کون ہے؟ اب کوئی دشمن نہیں ہے۔ انگریز دوست بھی ہیں اور حکمران بھی اور
جنگ میں کوئی بھی انہیں شکست نہیں دے سکتا۔

ستیا نند: اگر ایسی بات ہے تو میں اپنی ماں کی مورتی کے سامنے اپنی ہتیا کر لوں گا۔
وہ: جہالت میں؟ آؤ اور دیکھو۔ یہ ہمالیہ کی پہاڑیوں میں ماں کا مندر ہے۔ میں
تمہیں اس کی مورتی وہاں دکھاؤں گا۔

یہ کہتے ہی ”وہ“ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر ستیا نند کو لے جاتا ہے۔
آنند مٹھ کے باب دس میں مادرِ وطن کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس میں بھوانند کسی
اور ہی کیفیت میں ہے۔ وہ اب سنیا سی بہادر اور غیر چکدار نہیں رہا، وہ فوج کا بے رحم جنرل
نہیں رہا، وہ ایک شہدِ خوانسان بھی نہیں جس نے چند لمحے پہلے مہندر کو تابع بنا لیا تھا۔ جس کا
ذہن، چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی زمین اور پانی کی خوبصورتی کے بیچ، چاند دیکھتے ہی
مدوجزر سے اچھلنے والے پانی کی طرح رقص کرتا تھا۔ بھوانند دوستی کرنا چاہتا ہے، وہ بات کرنا

چاہتا ہے، وہ کئی بار کوشش کرتا ہے، مہندر جواب نہیں دیتا۔ تب بھوانند اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے گیت گانا شروع کر دیتا ہے۔

بندے ماترم سجالم سپھالم ملیا جاشیتلم ماترم

وہ پورے زور سے اُسے گاتا ہے تاکہ ماحول اس کے اثر سے بھر جائے، وہ گاتا

رہتا ہے۔

مہندر گیت سمجھ نہیں سکتا۔ وہ پوچھتا ہے، ماں کون ہے جسے دریا خوراک دیتے ہیں، پھل سے لدے ہوئے درخت اور پہاڑوں کی ٹھنڈی ہوائیں جسے پنکھا جھلاتی ہیں؟

بھوانند جواب دینے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر گیت گارہا ہے۔

مہندر سمجھتا ہے کہ وہ یہ گیت دُرگا کے لیے گارہا ہے، پھر اُسے خیال آتا ہے کہ نہیں،

یہ دُرگا دیوی کی نہیں، ملک کی تصویر کشی ہے۔ اس مرحلے پر بھوانند بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ

اپنی بات کی وضاحت کرتا ہے۔

’ہم کسی اور کو اپنی ماں نہیں ماننے، جانانی جنم بھومی سچا سوارگد اپنی گریاسی

دھرتی ماں ہی ہماری ماما ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ہماری ماں، باپ، بھائی، بیوی

بچے، ذاتی زندگی یا گھر نہیں ہے۔ سجالا، سپھالا، ملیا جا، شیتلم، یہ سب ہمارے پاس ہیں۔

تب مہندر سمجھ جاتا ہے کہ گیت کہاں سے آ رہا ہے۔ وہ بھوانند سے کہتا ہے کہ وہ

یہی گیت گاتا رہے۔ بھوانند گاتا ہے تو آنسو آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہنے لگتے

ہیں۔ وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے جو صرف دھرتی ماں کے بارے میں سوچتا ہے۔⁴

بندے ماترم کی اچانک مقبولیت

بندے ماترم کی مقبولیت اور وہ بھی اچانک بنگالی عوام کے درمیان ایک عوامی یا قومی گیت بن جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بنگال کے عوام کو جسمانی طور پر کمزور اور بزدل سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف مہاراشٹر کے مرہٹے ہندوستان میں مرہٹہ راج اور ہندو راج قائم کرنے میں ناکام ہونے پر ایک نئی تحریک کی مقبولیت کے منتظر تھے جس کی قیادت گنگا دھرتک نے سنبھالی تھی۔ تک 1895ء میں مہاراشٹر میں گنپتی شیو میلہ شروع کیا جس کے ذریعے مسلمانوں کو مشتعل کیا جاتا۔ مرہٹہ رہنما شیواجی کو بھگوان شیوا کا روپ مان کر اُس کی پوجا کی جاتی 1902ء میں گنگا دھرتک شیواجی کو بنگال لے آئے۔ پھر ہر سال وہاں بھی شیو میلہ منانے کا آغاز ہوا 1904ء میں ایک نظم ”شیواجی“ اور شیواجی کی تصویروں کے پمفلٹ لوگوں میں تقسیم کیے گئے۔

بنگال میں بھی بعض لوگ اپنے آپ کو نمایاں اور بنگالیوں کو لڑاکا اور طاقتور ثابت کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں سے ایک پروفیسر ار بندو گھوش تھے جنہوں نے بندے ماترم کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور بلاشبہ ایک بے ربط گیت کو بہت خوبصورت الفاظ میں ڈھال دیا۔ ان میں ”جواں مردی“ ابھرنے کی وجہ ایک واقعہ بنا۔ ڈاکٹر بھوپندر ناتھ کی روایت کے مطابق 1903ء 1904ء میں ار بندو گھوش نے بتایا کہ دریائے برداکے کنارے کچھ سنیا سی یوگا میں مصروف تھے۔ وہ باتیں بھی کر رہے تھے کہ ایک ہندوستان گیر تحریک مہاراشٹر میں منظم ہو رہی ہے لیکن بزدل بنگالی اس سے الگ ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بھی اس تحریک میں شامل ہوں۔

نوجوان بنگالی (ار بندو گھوش) یہ بے عزتی کرنے والے الفاظ برداشت نہ کر سکا اور اس نے من ہی من میں ایک انقلابی مسلح فوج بنانے کا فیصلہ کیا جو حکومت کے ساتھ ٹکرا سکے اس کی زیادتیاں برداشت کر سکے اور اسے مزہ بھی چکھا سکے۔ اسی طرح 1905ء میں گز گا دھرتک نے ایک اور بنگالی رہنما دیرتا باسو سے بنارس میں پوچھا کہ بنگالیوں نے ان ظالم افسروں کے سر کیوں نہیں پھاڑ دیے جو وہاں کے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے بنگالیوں میں اپنے آپ کو منوانے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

ار بندو گھوش دل میں جذبات لیے پھرتا تھا کہ تقسیم بنگال کے منصوبے کی خبر باہر آ گئی۔ وہیں سے معاملہ شروع ہو گیا۔ اگرچہ اعلانِ تقسیم بنگال 1905ء کے آخری حصے میں ہوا لیکن اس کی مخالفت جولائی 1905ء سے بھرپور انداز میں شروع ہو گئی جس کے محرک اور تائید کنندہ ہندو تھے۔ ان میں ار بندو گھوش بھی اپنے جیسے کئی نوجوانوں کو لے کر شامل ہو گئے۔ 13 جولائی 1905ء کو ”سچوئی“ کے ایڈیٹر کرشن کمار مہتہ کی تجویز پر برطانوی سامان کا بائیکاٹ کرنے، سوگ منانے، سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے تعلقات ختم کرنے کا فیصلہ ہوا اور سودیشی تحریک کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہ صورت حال رابندر ناتھ ٹیگور کو بھی مناسب لگی اور وہ بھی حب الوطنی کا شاعر بن کر سامنے آ گئے۔ پہلی بار 3 اگست 1905ء کو ٹاؤن ہال کو لکتہ کے جلسہ عام میں بندے ماترم کے نعرے لگائے گئے۔ پھر یہ نعرہ ہر جلسے اور جلوس کے لیے جذبہ ابھارنے کا کام دینے لگا۔ شاید یہ نعرہ زیادہ پر اثر نہ ہوتا کیونکہ رابندر ناتھ ٹیگور کی بنائی ہوئی دھن اسے مقبول عام نہیں بنا سکی تھی لیکن اس تحریک میں مذہبی عنصر شامل کر دیا گیا۔ 28 ستمبر 1905ء کو مہالے کے موقع پر کو لکتہ میں کالی گھاٹ مندر میں پوجا کی گئی۔ کالی دُرگا دیوی کا روپ ہے جسے اس گیت میں مخاطب کیا گیا ہے، چنانچہ دُرگا کا جادو ”بزدل“ بنگالیوں میں طاقت کی لہر بن کر دوڑنے لگا۔ اُس روز عورتیں سارا دن کیرتن گاتی رہیں۔ پھر 30 ستمبر کو پہلی بار ”پہلی راکھی بندھن“ کا تہوار ہوا جس میں مردوں نے مردوں کی کلائیوں

پر پیلے رنگ کی راکھی باندھی۔ اس کے بعد سلسلہ رکا نہیں۔ 16 اکتوبر کو کولکتہ میں ایک اور بڑا اجتماع کیا گیا۔ صبح سے شام تک نو جوان گلیوں میں گشت کرتے ”بندے ماترم“ کے نعرے لگاتے رہے، پھر گنگا میں جا کر نشان کرتے رہے۔

”بندے ماترم“ کا نعرہ اتنا مقبول ہوا کہ بقول رشی بہاری گھوش ”بندے ماترم ہمارے لیے دیاسلانی کی فیکٹری بن گیا تھا۔“

انگریز حکومت نے اسے دبانے کی کوشش کی۔ لائٹھی چارج سے بہت لوگ زخمی ہوئے، گرفتاریاں بھی ہوئیں لیکن یہ تحریک جو تقسیم بنگال کے خلاف شروع ہوئی تھی، اپنا پیغام ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں میں بھی پہنچانے لگی جس کا نام سودیشی تحریک رکھ دیا گیا تھا۔ تحریک کو مزید بڑھاوا دینے کے لیے 14 فروری 1906ء کو کولکتہ میں سریندر ناتھ بینرجی نے متاثرین کو بندے ماترم لاکٹ اور رومال دیئے اور انہیں ہار پہنائے گئے۔

ہندوستان کے دوسرے حصے میں گنگا دھرتک آل انڈیا کانگریس پر قبضہ کرنے اور قومی نیتا بننے کے منصوبے بنا رہے تھے انہوں نے شیواجی کو مسلمانوں کے خلاف مزاحمت کی علامت بنایا اور اسے تحریک میں شامل کر دیا لیکن بندے ماترم اپنی جگہ قائم رہا۔ بنگالیوں نے اپنی طاقت کا اظہار شاعری، ڈرامے اور نوٹنکی کے ذریعے بھی کیا۔ شیوا رانا پرتاپ سنہا اور چندر گپت مور یہ پرناول لکھے اور ڈرامے بنائے گئے۔ ڈی ایل رائے نے ”میواڑ کا زلزلہ“ FALL OF MEWAL کے نام سے ڈرامے میں مغل حکمرانوں کے خلاف گیت، ایکشن اور جذباتی ڈائیلاگ کا بھرپور سہارا لیا۔ ڈراموں میں شیواجی کے کردار نے اورنگ زیب کے خلاف جی بھر کر بھڑاس نکالی۔

دراصل یہ وہ تحریک تھی جس نے بندے ماترم کو تہہ سے نکال کر میدان میں کھڑا کر دیا۔ وہ آئیڈیا جسے ہینکم چیٹر جی نے بندے ماترم میں اتارنا چاہا تھا، رابندر ناتھ ٹیگور نے اسے اپنی شاعری میں ڈھال دیا۔ اس نے اپنی قومی اہمیت بنانے کے لیے شیواجی، گورو

گوبند اور بندہ بیراگی کو آزادی کی علامت بنا دیا اور راجپوتوں، مرہٹوں کی بہادری اور سکھوں کی آزادی کے لیے جدوجہد کے گیت لکھے۔ اُدھار بند و گھوش ایک مصلح اور انقلابی بن کر الفاظ کا جادو اپنی تقریروں میں جگاتا رہا۔

مرہٹہ بنگال ایکتا کو مضبوط بنانے کے لیے گنگا دھرتلک نے جھوٹ بولنے اور تاریخ کو مسخ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ شیوا اور ہندو پد پادشاہی کے نعرے لگاتے تھے لیکن انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ”شیوا“ مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ اس وقت کی ظالم قوت کے خلاف لڑا۔ یہ صحیح جذبہ ہے اس جذبہ کے تحت شیواجی کی زندگی کو پڑھو۔“

ایک اور مہاشے جو گیش چودھری نے کہا ”ہم ایک قوم ہیں۔ ہم ہر مسلمان ہیرو اور ہندو ہیرو کی تعریف کریں گے۔ ہم دو قوم نہیں ایک قوم ہیں“⁵، لیکن یہ وقتی جوش ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

آئندہ میں مسلمانوں اور دوسرے غیر ہندو انسانوں کے خلاف نفرت انگیز الفاظ کی موجودگی کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے شُدھی کی تحریکیں جاری ہوئی تھیں۔ مختلف ہندو حکمرانوں نے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی باتیں کی تھیں لیکن انگریز کی آمد اور ہندوستان پر قبضے نے انہیں وقتی طور پر ایک طرف کر دیا تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد بعض ہندو انتہا پسندوں نے براہ راست غیر ہندوؤں کے خلاف ”دھرم یدھ“ کا اعلان کیا۔ چند لوگوں نے نرم چھری سے گلا کاٹنے کے لیے برہم سماج اور آریہ سماج جیسی تنظیمیں بنائیں۔ ان سب کا آئیڈیل مرہٹہ سردار شیواجی راؤ تھا جس کا نام تباہی و بربادی کے دیوتا ”شیوا“ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کا کہنا تھا:-

”ہندوستان میں سوائے ہندو راج کے دوسرا کوئی راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک دن آئے گا جب ہندوستان کے تمام مسلمان شُدھ ہو کر آریہ سماج کا حصہ

بن جائیں گے۔ اس طرح آخر میں یہاں ہندو ہی رہ جائیں گے۔ یہی ہمارا مقصد ہے۔ یہی ہماری آرزو ہے۔“⁶

سوامی دیانند سرتی نے کہا: ”گائے ماتا کے گلے پر چھری پھیرنے والوں کے لیے ہمارے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہیے۔

بھیشم کے سپوتو ارجن کے دُلاؤ اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے مکہ تک کے تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔“⁷

بال گنگا دھر تلک ایک نمایاں انتہا پسند ہندو شخصیت باقاعدہ شیواجی دِن مناتے ہوئے ان تمام مظالم اور غیر اخلاقی حرکات کو جواز دینے کی کوشش کرتے جو مسلمانوں سے روار کھے جاتے تھے۔

1895ء میں گنگا دھر تلک کی صدارت میں جب پہلا شیواجی جشن منایا گیا۔ اس میں تلک کے ایک چیلے نے نظم پڑھی جس کا مفہوم تھا:-

”آؤ! شیواجی کی طرح اٹھ کھڑے ہوں اور جرأت مندانہ قدم اٹھائیں۔ اپنی تلواریں اور ڈھالیں اٹھا لو، ہم دشمنوں کے لاتعداد سر کاٹیں گے۔

سُنا! اگر ہمیں اس قومی جنگ میں اپنی زندگی کا خطرہ بھی مول لینا پڑے تو بھی ہم یقیناً دشمنوں کا خون بہا کر رہیں گے۔“

تلک اور ساتھی گنپتی اور راشٹری (شیواجی) کے دس دس جلوس نکالتے، پھر ایک مجمع کی صورت میں جمع ہو جاتے۔ تقریریں ہوتیں۔ ان کے دوران درگا، کالی دیوی اور بھوانی کے نعرے لگائے جاتے۔ ایک موقع پر گنگا دھر تلک نے کہا:-

”ہم اس وقت سوراج کے لیے شور مچا رہے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ شیواجی کا جشن منائیں۔ اگر شیواجی آج سے دو صدی پہلے سوراج قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو ہم بھی کسی روز سوراج حاصل کرنے کی توقع کر سکتے ہیں۔ سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے۔“⁸

(شیواجی کا سوراہ یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے افضل خان دوستی کی بات چیت کے لیے شیواجی کے پاس گیا تو بظاہر شیواجی مرہٹہ نے اُن کا زبردست خیر مقدم کیا۔ انہیں اپنے ساتھ خیمے کے اندر لے گیا اور اچانک پیچھے سے خنجر کے وار کر کے شہید کر دیا)۔

اس غیر اخلاقی حرکت کے بارے میں گنگا دھرتک کہتے تھے:-

”سوال یہ ہے کہ کیا شیواجی نے افضل خان کو قتل کر دینے سے کوئی پاپ کیا تھا؟ بھگوان کرشن کا واضح اپدیش ہے کہ شکار کرتے ہوئے بے شک اپنے گورو کو اور رشتے دار تک کو ہلاک کر دو تم پر کوئی الزام عائد نہیں ہوگا۔ افضل خان کے قتل میں شیواجی کی کوئی ذاتی اغراض پوشیدہ نہیں تھیں۔ اُس نے جو کچھ کیا، (ہندو) لوگوں کی بہتری کے لیے کیا، ایسے قتل کو پاپ نہیں کہا جاسکتا۔“⁹

مرہٹہ سردار شیواجی راؤ جب نو عمر تھا تو سمرتھ رام داس نامی برہمن اس کا اتالیق تھا۔ اس نے شیواجی کو یہی اپدیش دیا کہ مسلمان غاصب ہیں ان کے خلاف جنگ کر کے انہیں نشٹ (ختم) کر دو۔ اُس برہمن نے شیوا کو چانکیہ کے ارتھ شاستر سے تعلیم دی۔ چانکیہ ہندوؤں میں اس وقت تک واحد سیاسی فلاسفر تھا جس نے اپنے اصول سیاست بنائے اور ارتھ شاستر کے نام سے کتاب لکھی۔ وہ خود کو بڑے فخر سے کوٹلیا کہتا تھا جس کے لفظی معانی ہیں، مکار اور فریب کار۔

اس کے چند نمایاں اصولوں میں کہا گیا ہے کہ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کو ٹھنڈا نہ ہونے دو۔ تمام ہمسایہ ملکوں پر کڑی نظر رکھو اور اُن کے ساتھ وہی سلوک کرو جو دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کے مقابلے میں غیر ہمسایہ ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرو۔ دوستی کرتے وقت اپنی غرض اور مطلب کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ مکاری کو سیاست کی بنیاد بناؤ اور اس کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ رقابت کی آگ ہمیشہ دل میں جلتی

رہے۔ بہانے بہانے سے اسے تیز تر کرتے رہو۔ جنگ میں انتہائی تشدد سے کام لو ایسا کرنے میں اگر خود اپنے شہریوں کو بھی مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو پرواہ نہ کرو۔ دوسرے ملکوں میں ذہنی انتشار، مخالفانہ پراپیگنڈہ، تخریبی کارروائیاں جاری رکھو۔ ان کے اندر اپنے آدمی داخل کر دو اور ایسا کرتے رہو۔ دوسرے ملکوں سے غدار خریدنے کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کے علاوہ ایسے دوسرے تمام حربے استعمال کرو، کبھی امن کے بارے میں نہ سوچو، چاہے ساری دنیا تمہیں اس کام کے لیے مجبور کرے۔“

مرہٹہ سردار شیواجی کس حد تک چالکیہ سے متاثر تھا، اس کا اندازہ راجہ مان سنگھ کے نام اُس کے لکھے ہوئے خط سے لگایا جاسکتا ہے:-

”میری تلوار، مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے، افسوس ہزار افسوس کہ یہ تلوار مجھے ایک اور مہم کے لیے نکالنی پڑی۔ اسے مسلمانوں کے سر پر بجلی بن کر گرنا چاہیے تھا جن کا کوئی دھرم (مذہب) ہے نہ ان کو انصاف کرنا آتا ہے۔ میری بادلوں جیسی گرجنے والی فوجیں مسلمانوں پر تلواروں کی وہ بارش برسائیں گی کہ دکن کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے مسلمان خون کے اس سیلاب میں بہہ جائیں گے اور کسی مسلمان کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔“¹¹

شدھی اور سنگھٹن کے نام سے ہندومت کی بحالی اور مسلمانوں کو واپس ہندو دھرم میں لانے کے لیے کئی بار تشدد والی تحریکیں شروع کی گئی۔ ان میں سے ایک سوامی شردھانند تھے۔ اصلی نام مستی رام، پیشہ کے لحاظ سے وکیل، پیدائش ہندومت کے دھرم شہر بنارس کی، ہر دوار میں سنیاں لینے بھی گئے۔ کہتے تھے کہ تمام مسلم ملکوں کو فتح کر کے خانہ کعبہ پر ”اوم“ کا جھنڈا لہراؤں گا۔ یہ حسرت لے کر نذر آتش ہو گئے۔ شدھی تحریک میں آگرہ کے علاقہ سے پچیس تیس ہزار راجپوتوں کی فوج تیار کرنے کا پروگرام بنالیا گیا۔ سنگھٹن تحریک شروع کی تو لالہ لاجپت رائے جیسے لوگوں نے فوجی تنظیم بنانے پر زور دیا۔ پہلے مہاپیر دل، پھر اشٹریہ

سیوک سنگھ اس کے بعد جن سنگھ بنی۔

مسٹر مونجے نے مسلمانوں کو رعایت دی کہ وہ ہندومت کا فرقہ بن جائیں اور اپنے آپ کو ”محمدی ہندو“ کا نام دے دیں۔

بال گنگا دھر تلک نے کانگریس میں جس گروہ کی بنیاد رکھی تھی وہ اس جماعت میں ہمیشہ قائم رہا۔ اس میں لالہ لاجپت رائے پنڈت مدن موہن مالویہ سوامی شرادھانند سردار ولھ بھائی پٹیل مسٹر مرارجی ڈیسائی مسٹر پرشوتم داس سٹڈن اور مسٹر کے ایم منشی کے علاوہ مسٹر سپور نانند جیسے ہندو رہنما شامل ہوئے جو مسلمانوں کو مساوی درجہ یا کوئی نمایاں رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی موت تک کانگریس کے وفادار رہے تاہم قائد اعظم نے کانگریس میں شرکت لبرل قوم پرست دادا بھائی نوروجی کے زیر اثر کی تھی۔ وہ ہندوستان کی بہتری کے لیے آئینی ذرائع اپنانے میں یقین رکھتے تھے۔ 1920ء میں کانگریس کے ناگ پور سیشن میں قائد اعظم محمد علی جناح نے استعفیٰ دے دیا۔

اس علیحدگی سے انتہا پسند ہندوؤں کے دارے نیارے ہو گئے۔ انہوں نے 1925ء میں آل انڈیا ہندو مہاسبھا کی بنیاد رکھ دی جس میں ساورکر، مونجے، ہر دیال اور بھائی پرمانند جیسے انتہا پسند مذہبی اور سیاسی لوگ شامل تھے۔ ان کا نعرہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی دور میں ایک اور انتہا پسند ہندو سوامی شرادھانند نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر آل انڈیا ہندو شدھی سنگھٹن کی بنیاد ڈال دی اور تحریک شروع کی کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔ یہ ایسی تحریکیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں میں ہندوؤں کے ساتھ رہنے کے بجائے علیحدگی کا جذبہ پیدا کر دیا۔

ہندومت

بندے ماترم کی فکری بنیاد

ہندو اور ہندو دھرم کیا ہے؟

لفظ ”ہندو“ سنسکرت کے لفظ ”سندھو“ کا فارسی تلفظ ہے جو دریائے سندھ کے حوالے سے ہے۔ وادی سندھ کو دریاؤں کی نسبت سے سپت سندھو اور فارسی زبان میں ہفت ہندو کہا جاتا ہے۔

فارسی لغت میں لفظ ہندو سے مراد ”ڈاکو، غلام، دربان یا سیاہ رنگت والا انسان“ لی جاتی ہے۔

ہندوستان کے آنجہانی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اعتراف کیا ہے کہ لفظ ہندو کا استعمال بطور مذہب یا اس مذہب کے ہیرو کے طور پر قدیم کتابوں میں نہیں ملتا۔ انہوں نے لکھا ہے:-

”لفظ ہندو کا ہمارے قدیم لٹریچر میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ دریائے سندھ کا قدیم نام سندھو تھا اور یہ لفظ (ہندو) اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہندو ہندوستانی، انڈین اور انڈیا کے الفاظ بھی بعد کے زمانے میں لفظ سندھ سے ہی اخذ کیے گئے۔“¹¹

بالفور ایڈورڈ نے لکھا ہے کہ اس لفظ کا قدیمی تاریخی کتب میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ اصطلاح عموماً بت پرستوں اور برطانوی ہند کے مقامی لوگوں کے لیے حال ہی میں استعمال ہونے لگی ہے۔ ہندو خالصتاً یورپی روایتی اصطلاح ہے جو قوم، نسل یا مذہب کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتی۔“¹²

نراد کمار چودھری کے مطابق ”اس سے مراد کوئی مذہب یا قوم نہیں۔ لفظ ہندو اصل میں ہندوستان میں رہنے والوں کے لیے بلا لحاظ عقیدہ اور قومیت استعمال کیا گیا۔“

در اصل ہندو تائیا ہندوازم یا ہندو دھرم کی اصطلاح اٹھارہویں صدی میں سامنے آئی جب سلطان فتح علی ٹیپو کو شکست ہوئی اور انگریز ہندوستان میں ناقابلِ تسخیر ہو گئے۔ تب طبقاتی مفادات حاصل کرنے والے گروہ نے دھرم کی رکھشا اور ”ایکتا“ کے نام پر مختلف قسم کی مسلح جدوجہد کے علاوہ نئے اور پرانے فلسفے کو اکٹھا کر کے تحریکیں چلائیں لیکن نام کے اعتبار سے وہ بنیادی طور پر ہندو راج کے لیے تھیں اس لیے اُن کے نام آریہ سماج، برہمن سماج جیسے رکھے گئے۔ جو لوگ خود کو مزید نمایاں کرنا چاہتے تھے اُنہوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندوازم میں داخل کرنے کے لیے غدھی تنظیمیں بنائیں۔

بالفور ایڈورڈ لکھتے ہیں کہ ”ہندو کی اصطلاح جس سے ایک خاص قوم یا مذہب مراد ہو ہندوستان پر برطانوی اقتدار کے بعد ایک سوچے سمجھے بدینتی پر مبنی مقصد کے لیے استعمال کی گئی۔ اسی لیے انگریزوں نے لکھا کہ ہندوستان کے آریا دنیا کے بہت مہذب لوگ تھے اور ان کا تعلق قدیم آریا یعنی ایرانی قوم سے تھا۔“

ہندوازم ایک انتہائی سخت اور متشدد قسم کے سماجی ڈھانچے کا نام ہے جس کے تحت ”ہندو“ کو چار ذاتوں یا درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ منو نے اپنی کتاب منوسمرتی میں اسے مذہبی تقدس دے دیا اور کہا کہ یہ چاروں ذاتیں یا درجے برہما (بنانے والے) کے جسم کے حصے ہیں۔ برہمن اس دیوتا کے سر، کھشتری بازوؤں، ویش پیٹ سے اور ”شودر“ پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔

برہمن دھرم کا واحد اجارہ دار ہے۔ کھشتری حکومت کا کاروبار چلائیں گے اور اس کا دفاع کریں گے۔ ویش تجارت اور صنعت و حرفت کے مالک اور ذمہ دار ہوں گے۔ شودر سب کی خدمت بجالائیں گے۔ یہ طبقاتی تقسیم آج بھی سیکولر اور ڈیموکریٹک انڈیا میں موجود ہے۔ ان چار بڑی ذاتوں کی ذیلی ذاتوں کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔

دیوتاؤں اور دیویوں کی مورتیاں اور بت ہندو ازم میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں ہندو دیوتاؤں کی تعداد 33 کروڑ سے زیادہ ہے جو مختلف قصبوں اور شہروں میں بت بنے بیٹھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر گاؤں، شہر اور گلی میں لوگوں نے اپنی پسند کے دیوتا بنا کر ان کے بت سجادے ہیں۔ عبادت گاہوں کے حوالے سے ایک اہم بات یہ ہے کہ کسی مندر کا ڈیزائن ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ ہندو دھرم کے اجارہ دار اس پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ لوگ مرکزی مفاداتی طبقے سے الگ ہو سکتے ہیں۔

ہندو دھرم میں نقصان یا فائدہ دینے والی ہر چیز چاہے وہ آگ ہو یا پانی، ہاتھی ہو یا سانپ، دیوتا کا درجہ رکھتی ہے۔

1995ء میں ہندوستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، پی۔ پی۔ گجندر گاڈکر نے ”ہندو دھرم“ کے بارے میں درج ذیل رولنگ دی جس کے مطابق اسے پوری طرح دھرم کی تعریف میں لانا ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی رولنگ میں لکھا:۔

”جب ہم ہندو دھرم کے بارے میں غور کرتے ہیں، ہمارے لیے اگر ناممکن نہیں تو ہندو دھرم کی تعریف کا تعین کرنا یا کم از کم صحیح طریقے سے اسے بیان کرنا مشکل ضرور ہوتا ہے۔ دُنیا کے دوسرے مذاہب کے برعکس ہندو دھرم کا کوئی نبی نہیں ہے، یہ کسی ایک خدا کی پرستش نہیں کرتا۔ کسی ایک عقیدے سے منسلک نہیں ہے، یہ کسی ایک فلسفیانہ نظریہ میں ایمان نہیں رکھتا، یہ مذہبی رسوم و رواج کے کسی ایک مخصوص مجموعے کو نہیں اپناتا، درحقیقت یہ انسانی نسل کے کسی بھی مذہب کی روایتی قدیمی خصوصیات پر پورا نہیں اُترتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ایک طرز زندگی کہا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“

ہندو ازم کی ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ اس نظریہ میں توبہ یا بخشش کی گنجائش

نہیں ہے۔ یعنی ان کے عقیدہ کے مطابق کوئی گناہ بخشا نہیں جاسکتا۔ انسان کی روح بار بار جہنم لیتی ہے اور یہ حیوان یا انسان کے قالب میں آتی ہے اور اس کا دار و مدار اعمالوں پر ہے۔ اس عقیدے کے باوجود برہمن پنڈت ”مایا“ (مال پانی) لے کر کنڈلی میں موجود نحوست ٹالنے کے منتر پڑھتے ہیں یا کسی بھی کنڈلی میں نحوست کے اثرات بتا سکتے ہیں۔ گویا بیماری بھی اُن کو پوتھی میں ہوتی ہے اور علاج بھی پوتھی میں ہوتا ہے۔



وید

درحقیقت ہندو ازم یا ہندو دھرم ایک ایسا نظام ہے جس میں کوئی مستقل اور آفاقی پیغامات کام نہیں کرتے۔ قدیم ہندو یا ہندوستانی تہذیب کو ویدوں کا دور کہا جاتا ہے جو اعلیٰ ترین مقدس کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ یہ چار وید ہیں جن کے نام رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید ہیں۔ ان کے علاوہ اُنپشد پران منو سمرتی سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

اکثر ہندوؤں کا خیال ہے کہ ہندو معاشرے میں سماجی اور مذہبی عبادات کا سب سے بڑا ذریعہ ”وید“ ہیں جو قدیم ہندوستان کے دور سے چلے آ رہے ہیں۔ وہ ویدوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ وہ کسی کے دہریہ (ناستک) ہونے کا فیصلہ بھی ”ویدوں“ میں ایمان رکھنے یا نہ رکھنے کے حوالے سے کرتے ہیں۔

وید نجوم کو بھی ہندو معاشرے میں اہمیت حاصل ہے جس کے تحت ہندوؤں کی اکثریت ”کنڈلی“ میں بہت وشواس (یقین) رکھتی ہے جسے جنم پتری سے بنایا جاتا ہے۔

ویدوں کے بارے میں واضح طور پر نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اتفاق رائے ہوا ہے کہ انہیں کن لوگوں نے ”کب“ کہاں ”کیوں“ اور کس دور میں تصنیف کیا اور پس منظر کیا تھا؟ ان کے بارے میں مختلف سکالرز نے اپنی الگ الگ تحقیق متعین کی ہے۔ مذہبی اور انسانی تاریخ کے حوالے سے بات کرنے والے چند معروف لوگوں کی رائے سے وید کی شکل و صورت کا دھندلا سا ہیولا تو سامنے آ جاتا ہے لیکن یہ الہامی کتابیں بہر حال نہیں ہیں جو ”مذہب“ کی بنیادی تعریف اور تعمیر کا اہم ترین جزو ہے۔

ہندو کہتے ہیں کہ ”وید“ دراصل ”اپورشی“ یعنی غیر انسانی کمپوزیشن ہیں۔ یہ براہ

راست سامنے آتے ہیں۔ انہیں ”سروتی“ یعنی ”جوسنا گیا“ کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ہندو ازم سناتن دھرم (دائمی قانون) ہے اور وید کا مطلب صرف دانش اور علم نہیں بلکہ اس کا عام مطلب مقدس علم مقدس پڑھائی ہے۔ بنیادی طور پر چار وید، سہمتیا، سنسکرت، برہمناس، آرنیکا اور اپنشد ہیں۔ ان چاروں ویدوں کی زبان میں فرق ہے لیکن باتیں ملتی جلتی ہیں۔

اپنشد ایک فلسفیانہ کلام ہے۔ اس میں ویدوں کی روحانی طاقت اور اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے جس کے باعث انہیں ویدانت کہتے ہیں۔

”وید“ ہندومت کی قدیم ترین مذہبی کتاب ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی انسان نے نہیں لکھی۔ گویا الہامی قوتوں کے الفاظ ہیں۔ چار وید بتائے جاتے ہیں لیکن یہ تعداد متفق علیہ نہیں ہے۔ نہ صرف ان کی تعداد میں اختلاف ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ ان میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ جیسے اتھر وید کا پہلا منتر ”اوم شنود یوی“¹³۔

لیکن موجودہ وید میں یہ منتر 26 واں ہے۔ دراصل پہلے وید کے شروع میں ”اتھ“ (شروع) لکھا جاتا تھا اور آخر میں اتی لکھ کر بند کر دیا جاتا تھا۔ پھر ایسا لکھنا چھوڑ دیا گیا۔ اس لیے مزید وید شامل ہو گئے۔¹⁴

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اصل میں وید صرف ایک ہے جسے رگ وید کہتے ہیں۔ باقی تین وید اس میں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اسی لیے آج تک فیصلہ نہیں ہو سکا کہ ”وید“ چار ہیں یا تین۔¹⁵

ہندوستان کے سیاسی رہنما اور آنجہانی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا ہے:-
 ”بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان (ویدوں) کی حقیقت دراصل ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

وید صرف اس زمانہ کی معلومات کا مجموعہ اور بہت سی چیزوں کا غیر مرتب شدہ ذخیرہ ہے۔¹⁶

ڈاکٹر سریندر داس گپتا نے لکھا ہے کہ ”وید اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے کسی خاص کتاب کا نام نہیں بلکہ یہ نام ہے قریب دو ہزار سال کے طویل عرصے پر پھیلے ہوئے لٹریچر کا۔“¹⁷

لفظ وید کا مصدر ہے وِد یعنی جاننا، سوچنا، موجود ہونا، غور کرنا اور حاصل کرنا۔ سوال یہ ہے کہ یہ تین یا چار وید یا معلومات کا مجموعہ کس دور میں اور دنیا کے کن علاقوں میں تصنیف ہوا اور کب ہوا۔ ایک نظریہ کے مطابق جو ”آریہ سماج“ نے دیا وید ملک تبت میں نازل ہوئے تھے۔ (کس پر؟ معلوم نہیں)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آریہ وسط ایشیا سے ہندوستان آئے۔ اس لیے وید وسط ایشیا میں بننا شروع ہوئے اور پنجاب میں مکمل ہوئے۔ لیکن پروفیسر ابھیناش چندر داس نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے ”اس وقت وسط ایشیا زیر آب تھا، ہمالیہ کا نام و نشان نہ تھا، راجپوتانہ سمندر تھا، اس لیے ویدوں کا وطن پنجاب ہے۔“

مسٹر تلک نے اپنی کتاب ”ہوم ان ویداز“ میں لکھا ہے کہ وید قطب شمالی پر بننا شروع ہوئے۔

ہندو یونیورسٹی بنارس کے پروفیسر پران ناتھ کی تحقیق کے مطابق ”ویدوں میں جن شہروں، قوموں اور راجاؤں کا ذکر ہے ان کا تعلق شام اور دوسرے ملکوں سے ہے۔ اس کا پانچواں حصہ بابل اور شام کے علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے یہ وہاں سے شروع ہوا اور یہاں (ہندوستان میں) آ کر مکمل ہوا۔

پنڈت ستیہوت کا کہنا ہے کہ ”یہ کچی بات ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی

ویدوں کو تصنیف کیا۔ رشی کے معنی ہیں منتر دیکھنے والا یعنی دل سے دیکھنا اور منتروں کا بنانا (وید تری صفحہ 74)۔ پہلے نمبر پر رگ وید ہے جسے اصل کتاب کہا جاتا ہے۔ اس میں ہندو دیوتاؤں اور بہادروں کے قصے ہیں۔ یہ 1400 ق م میں وادی سندھ میں مکمل ہوئے۔ جب آریاؤں نے گنگا وادی میں تسلط قائم کیا تو باقی تینوں ویدوں کی تدوین بھی ہوئی۔ اس میں مظاہر پرستی کا تعلیم دی گئی ہے۔ آریوں نے چاند سورج اور دوسرے مظاہر فطرت کو دیوتا قرار دیا۔ ان کا محبوب ترین دیوتا ’اندر‘ تھا جو راگ رنگ اور عیش و عشرت کا ولدہ ہے۔ اسے ہی اصل کتاب (وید) قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں 1028 گیت ہیں۔

سام وید میں مختلف اوقات میں رگ وید کے بعض منتر یکجا کر دیے گئے ہیں جو 1050 ق م میں سامنے آئے اور ویاس جی کے عہد میں کتابی صورت میں اکٹھے ہوئے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسوم کس طرح ادا ہونی ہیں اور مذہبی گیت کیسی موسیقی کے ساتھ اور کس طرز پر گایا جانا ہے۔

یجر وید۔ اس میں قربانی دیتے وقت مانگی یا گائی جانے والی دعائیں ہیں۔ اس میں ہر قسم کی قربانی کے لیے دعائیں درج ہیں۔

اتھروید۔ اس میں 730 گیت 600 بند ہیں۔ اس کی 20 جلدیں ہیں جن میں سے 13 قدیم ترین اور آخری دو جدید ترین ہیں۔ اس میں جنتر منتر اور ضبیث رُوحوں کا ذکر ہے۔

14 ویں صدی تک تمام ہندوؤں کو وید کے مطالعہ کی اجازت تھی۔ کئی وید مصنفین عورتیں تھیں لیکن بعد میں پابندی لگا دی گئی کہ عورتیں اور شودر مطالعہ نہیں کر سکتے۔ صرف برہمن، کھشتری اور ویشی ہی ویدوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اب ہندوؤں کی جدید ریسرچ کے مطابق ویدک منتر کی ہر آواز سے ماحول اور

انسانی ذہن صاف ہو جاتا ہے اور ویدک گیتوں کے ہزاروں معانی ہیں اور وید کے مطابق وید علاج، شاعری، موسیقی، رقص، گرائمر زبان اور مارشل آرٹس کی تربیت دی جاسکتی ہے۔

ار بند و گھوش جس نے بندے ماترم کا ترجمہ کرتے وقت اس کا رنگ ڈھنگ ہی بدل دیا، سوامی وک نندہ کے علاوہ سوامی دیانند سے بھی متاثر ہوا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وید کے وسیع اور پوشیدہ معانی ہیں۔ رگ وید ایک نفسیاتی کتاب ہے جو لوگوں کو بھگوان کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی خفیہ زبان اس کے اندر سموی ہے جیسے اندر دیوتا۔ دراصل جس دیکھنے، سننے، چکھنے وغیرہ کا نام ہے اور ”وائو“ کا مطلب ”ہوا نہیں، زندگی کی طاقت ہے۔ اسی طرح ”سوما“ کا مطلب بھگوان کی شراب نہیں، دائمی رحمت ہے اور وید میں قربانی کا مطلب ہے اپنی انا کی اندرونی آگ کو دائمی روشنی پر قربان کر دو۔

ان چار ویدوں میں سے بعض خاص منتخب باتیں درج ہیں جن کی بنیاد پر ہندو دھرم کی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کیا گیا ہے:-

یجر وید

1- دھرم کے مخالفوں کو آگ میں زندہ جلا دو (یجر وید ادھیا 13 منتر 12 دیا نند بھاشن)

2- دشمنوں کے کھیت اُجاڑ دو یعنی گائے، بیل، بکری اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو (منتر 13)

3- اپنے دشمنوں کو درندوں سے چیر پھڑوا ڈالو (یجر وید 15، 17، 18)

4- انہیں سمندر میں غرق کر دو (18:1)

5- جس طرح بلی، چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح ان کو تڑپا کر

(16:65)

- 6- ان کی گردنیں کاٹ (22:5)
- 7- جائز اور ناجائز طریقے سے انہیں ہلاک کر (28:1)
- 8- مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے (28:13)
- 9- ان کو پاؤں کے نیچے پھیل دو اور ان پر رحم نہ کرو (39:1)

سام وید

- اس کا تعلق مذہبی رسوم اور ان کی ادائیگی سے ہے۔
- 1- اے مخالف! تم سر کٹے ہوئے سانپوں کی طرح بے سر اور اندھے ہو جاؤ۔ اس کے بعد تم میں جو چیدہ چیدہ ہوں، ان کو اندر اور اگنی دیوتا تباہ کر دیں (اُتر آ رچک پر پچا گنگ، گیارہ منتر)
- 2- اے اندر دیوتا! ہمارا دیا ہوا سوم تجھے خوش اور متوالا کر دے، تو ہمیں دھن اور دولت دے اور وید کے دشمنوں کو تباہ اور ہلاک کر دے (اُتر آ رچک آدھیائے منتر 1)
- 3- اے اندر دیوتا! تو غیر ویدک دھرمیوں کو، کب ایسے کچل کر تباہ کرے گا جیسے چھتری دار پھول کو پاؤں سے کچل کر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اے اندر! تو کب ہماری پرارتھنائیں سنے گا؟ (اُتر آ رچک آدھیائے 10، منتر 3)

اتھروید

بعض اسے وید نہیں مانتے، اس میں زیادہ تر جادو ٹوٹنے کے منتر ہیں اور خبیث روحوں کا ذکر ہے شمالی ہند کے برہمن اسے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ 400 سال قبل مسیح دور میں ترتیب دیے گئے۔

- 1- اے ویدک دھرم کے راجاؤ اور دوسرے ویدکوں کے دھرمیو! تم شیر بن کر رہا یا کو کھا جاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو اس کے بعد اپنے

مخالف کا کھانا تک اٹھا لو (کانڈ 4، سوکٹ 22 منتر)۔

- 2- اے دُبھ! ہمارے دشمنوں کے دلوں کو توڑ دے۔ جیسے تو اُگتے وقت زمین کی کھال کو چیرتی ہوئی اوپر کی طرف نکل آتی ہے، ویسے ہی ہمارے دشمنوں کے سروں کو چیر کر اوپر نکل کر انہیں گرا کر تباہ کر دے (کانڈ 19، سوکٹ 28، منتر 4-10)
- 3- ویدوں پر اعتراض کرنے والوں کو ملک سے باہر نکال (ادھیائے 1، اشلوک 11)
- رگ وید:

اس میں دیوتاؤں اور ان کی بہادریوں کے قصے ہیں۔ یہ مظاہر پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ آریوں نے چاند سورج اور دوسرے مظاہر فطرت کو دیوتا مان لیا۔

اے اندر پر ماتما! کیلٹوں (غیر آریائی انسانوں) میں گائے تیرا کیا بناتی ہیں، نہ تو سوم (بھنگ) میں ملانے کے لیے دودھ دوہنے دیتی ہیں اور نہ ہی بیکہ کا برتن (اپنے دودھ سے) گرم کرتی ہیں۔ تو پریم گند کی دولت ہمارے لیے لوٹ لا۔ (رگ وید منڈل 3 سوکٹ 53، منتر 14)



دُرگا

”دُرگا“ کون ہے جس سے مسلمان اور دوسرے غیر ہندو مذہب اور فرقے
الرجک ہیں۔ ”دُرگا“ میں وہ کونسی بات ہے جسے کروڑوں مسلمان تسلیم یا برداشت کرنے
کے لیے تیار نہیں؟

دُرگا ہندو دھرم کے ایک دیوتا ”شیو“ جسے شیوا بھی کہا جاتا ہے کی بیوی بیان کی
گئی ہے۔ ہندومت کی دھرم کتاب ”وید“ کے مطابق شیوا، ”ایشور“ یا ”خدا ہے“۔ چونکہ وہ
کئی خداؤں کو مانتے ہیں اس لیے ان کے دھرم کے مطابق شیوا سب سے برتر خدا ہے۔
اس کے تین روپ رُدر (تباہ کرنے والا)، برہما (تخلیق کرنے والا) اور وشنو (محفوظ
کرنے/بچانے والا ہے)۔ ان کے مطابق شیو کی پانچ صفات ہیں: تخلیق کرنا، محفوظ کرنا،
بدی کو تباہ کرنا، انسانوں کو گناہ سے بچانا اور انہیں اپنی محبت و قوت سے نوازنا۔ ایک خیال یہ
بھی ہے کہ خدا صرف ایک ہے جس کے تین روپ برہما، شیوا اور وشنو ہیں۔ ان میں سے شیو
اور وشنو دونوں کی پوجا زیادہ کی جاتی ہے۔

وشنو محبت کا دیوتا ہے جو اندھوں اور بہروں کو ٹھیک کرتا اور مُردوں کو اپنی شکتی سے
زندہ بھی کرتا ہے۔ وشنو کہتا ہے کہ دشمن سے عارضی طور پر صلح کر لو اسے اپنے ساتھ ملاؤ لیکن
اسے کوئی فائدہ نہ پہنچاؤ۔

شیو تباہی اور بربادی کا دیوتا ہے جو انسانوں کو مٹاتا اور نئے سرے سے پیدا بھی کرتا
ہے۔ اس لیے اسے افزائشِ نسل کا دیوتا بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے پیروکار جنسی اعضا سے ملتی
جلتی سرخ اور سفید لکیریں اپنے ماتھے پر بناتے ہیں۔ اس کے تین سر ہیں اور دلچسپ بات یہ
ہے کہ اس کی بیویاں بھی تین یعنی دُرگا، اوما اور پاروتی (پاربتی) بتائی جاتی ہیں۔ شیوا اور اس کی

ہیویوں کی پوجا کو ”شکتی پوجا“ کہا جاتا ہے۔ شیو کی جوشبہہ بُت میں بنائی گئی ہے اس میں وہ سادھو فقیر ہے جس کے بدن سے سانپ لپٹے ہوئے ہیں اور بالوں کی لمبی لٹیں گھلی ہیں جن سے پانی کی دھار پھوٹ رہی ہے۔ وہ ایک بیل پر سوار ہے۔ اس کی ایک تیسری آنکھ ہے جسے عقل کی آنکھ بھی کہا جاتا ہے۔ ہنومان کو بھی ایک ہندو طبقہ شیو کا رُوپ مانتا ہے۔ شیو سب سے طاقت ور دیوتا ہے۔ سومنات میں شیو کا بُت محمود غزنوی نے توڑ ڈالا تھا۔

دُرگا، شیو کے دو بیٹوں گنیش (جس کا سر ہاتھی کا ہے) اور کرٹیک کی ماں ہے اور اس کے بھی دو روپ مشہور ہیں۔ دونوں رُوپ طاقت کی علامت ہیں اور ان میں سے ”کالی ماں“ کا روپ زیادہ مقبول ہے۔ کالے رنگ کی اس دیوی کے گرد سانپ موجود ہوتے ہیں۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا چہرہ اور چھاتیاں خون آلود چار ہاتھ جن میں سے دو ہاتھوں میں تلواریں اور دو میں انسانی کھوپڑیاں ہیں جن سے خون ٹپکتا ہے، منہ کھلا اور سرخ زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔

دُرگا کے معانی، پہنچ سے باہر اور کالی کے معانی، تباہی کی دیوی ہے۔ ہندوستان میں عورتیں اس دیوی کی زیادہ پوجا کرتی ہیں۔ دُرگا پوجا خاص طور پر بنگال میں ہندوؤں کا مقبول ترین تہوار ہے۔ اس میں انسانی جان کی قربانی بھی دی جاتی ہے۔ دُرگا، شیر پر سوار اور ہاتھوں میں مختلف قسم کے ہتھیار سنبھالے دکھائی جاتی ہے۔ علی پور (مغربی بنگال) میں کالی گھاٹ پر کالی دیوی کا مندر بہت معروف ہے۔ بعض اوقات بچوں کی بلی چڑھانے (بلیدان کرنے) کی خبریں آتی ہیں، وہ اسی دُرگا دیوی کے ”کالی ماں“ کے روپ کو چڑھائی جاتی ہے۔ اسی دُرگا دیوی سے ”بندے ماترم“ میں بقول انتہا پسند ہندوؤں کے ہندوستان کو تشبہہ دی گئی ہے۔

اسلام اور ہندومت

اسلام کی برصغیر میں آمد نے ہندومت پر خاصا گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ تمام باتیں جو بھلا دی گئی تھیں یا معاشرتی حالات کے باعث دب گئی تھیں، انہیں تازہ ہوا ملی۔ اسلام اور ہندومت کے اتصال سے ہندومت کے پھیلاؤ میں کمی آئی۔ ہندوستان میں مسلم شخصی حکومتیں ہونے کے باوجود عبادات میں ایک جیسا سلوک اور اندازِ ادائیگی ہونے کے باعث ہندو سماج کے کمزور، اچھوت طبقے اور کھلے ذہن رکھنے والے حصے نے اسے قبول کر لیا۔

اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تو ہندومت میں یقین رکھنے والوں نے اپنے دھرم کی رکھشا (حفاظت) کے لیے چند باتیں اسلام سے از خود چُن لیں اور انہیں مذہبی تحریکوں کا حصہ بنالیا۔ یوں وہ بیک وقت ہندو ازم اور کسی حد تک اسلام سے متاثر دکھائی دیتے تھے لیکن وہ وید اور اس میں درج اصولوں کو مسترد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ ایک اللہ کا پرچار کرنے لگے کسی نے بت پرستی کی مخالفت کی تو کسی نے سستی کی رسم کو ظلم قرار دیا، ذات پات کے نظام کی نفی کی بات بھی کی گئی لیکن دیوی اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کی رسمیں اور بھجن جاری رہے۔

یہ تحریکیں مختلف لوگوں نے مختلف ناموں سے چلائیں تاکہ جس ہندو کو جہاں سے جو اچھا لگے اپنالے اور اپنا دھرم بھر شٹ نہ کرے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے کئی تحریکیں اپنی شخصیت کو ممتاز اور منفرد رکھنے کے لیے بھی چلائی گئیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو روشن خیال کہتے تھے اور ہندو دھرم میں اصلاح کے نام پر اپنے دھرم کو بچانے کی کوشش کرتے تھے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں محمد بن قاسم کی آمد کے باعث اسلام ہندوستان کے عوام میں براہ راست گھل مل گیا تھا۔ چنانچہ پہلی مذہبی تحریک آٹھویں صدی کے آخر میں

شروع ہوئی۔ مالا بار کے ساحل پر دریائے الور کے کنارے واقع ایک گاؤں کلثری میں ایک نمبودری برہمن شوگر کے گھر میں شکر اچار یہ پیدا ہوا۔ بچپن میں باپ فوت ہو گیا۔ ماں نے اُسے تعلیم دلائی۔ شکر اچار یہ غیر معمولی ذہین تھا۔ صرف سولہ سال کی عمر میں اس نے ہندو فلسفوں اور دوسری کتابوں پر عبور کر کے دھرم کو سنبھالا دینے کے لیے جتن کیا۔ اس نے طویل سفر کیا اور کئی کتابیں لکھیں۔ وہ بھی مہاتما بدھ کی طرح ایک مذہبی جماعت بنانا چاہتا تھا۔ اس نے ہندوستان کے چار حصوں میں چار خانقاہیں بھی قائم کیں جو سرنگا گری مٹھ، سرودھا مٹھ، گووردھن مٹھ اور جوشی مٹھ کہلاتی ہیں۔ شکر اچار یہ صرف بتیس برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔

شکر اچار یہ نے کہا کہ تمام ہندو ایک ویدک دھرم پر اکٹھے ہو جائیں۔ خدا ایک ہے، وہی حقیقت ہے، باقی سب دھوکہ ہے۔ دنیا مایا ہے، اس کی حقیقت برہما ہے اور سب انسان اسی حقیقت کے اجزاء ہیں۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ بڑے رشیوں کے افکار کا مطالعہ کریں، برائی کی خواہشات پر قابو رکھیں اور رہبانیت اختیار کریں۔

سوا سو سال بعد 1016ء میں مدراس کے ایک گاؤں پر مہر میں رہنے والے کیشب اور دھرمی دیوی کے گھر شکر رامنچ پیدا ہوا جسے درحقیقت ہندو دھرم کی بھگتی تحریک کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس نے شکر اچار یہ کے ”مایا“ نظریہ کی مخالفت کی۔ شکر خدا کی صفات کا قائل نہیں تھا۔ رامنچ نے کہا کہ تمام صفات خدا سے ہی پیدا ہوئی ہیں، وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہی روح اور مادہ پیدا کرنے والا ہے اور خدا نے اوتار بھی پیدا کیے ہیں۔ 1299ء میں الہ آباد کے نزدیک پریاگ کے مقام پر ایک برہمن خاندان میں رامنند نے جنم لیا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو زہد اور دنیا دار دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ بھی ذات پات کا مخالف تھا۔ اس کے شاگردوں میں ناواجی، سوردا، تلکسی، داس، جے دیو اور کبیر مشہور ہیں۔

ناواجی، اچھوت خاندان میں پیدا ہوا۔ غربت کی ماری ماں نے اسے جھاڑیوں میں چھوڑ دیا اور دو ویشنو زاہد اُسے اپنی مٹھ میں لے گئے۔ اس نے راماند کی فرمائش پر ”بھگت مال“ لکھی۔

سوراس ناچنا تھا۔ ٹلسی داس، چتر کوٹ برہمن زادے اور راجہ بنارس کے دیوان تھے۔ نوکری چھوڑ کر بندر بن گئے۔ وہاں سے واپس بنارس آ گئے تو رامان لکھی۔ بے دیو مغربی بنگال کے موضع کینداہل میں پیدا ہوئے۔ شاعر تھے اور آج بھی ان کی شاعری ہندو دھرم کی مذہبی محفلوں میں گائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر تارا چند کی تحقیق کے مطابق کبیر ایک برہمن بیوہ کے گھر پیدا ہوا۔ ایک جولاہے نوری اور اس کی بیوی نے اسے جنگل میں سے اٹھایا۔ اُسے روحانیت سے لگاؤ تھا۔ وہ راماند سے اس کی زندگی کے آخری دنوں میں ملا اور اُس کا چیلابن گیا۔

تحصیل شرق پور کے گاؤں تلونڈی میں مہتہ کالو چند کھتری کے گھو 1466ء میں نانک پیدا ہوا۔ نانک نے پہلے ایک پنڈت سے ہندی پھر ایک معلم ملا قطب الدین سے فارسی پڑھی۔ نانک کے بہنوئی دیوان بے رام نے جو دولت خان لودھی کا ملازم تھا، اُسے نواب کے خیرات خانے میں ملازم کرادیا۔ ملازم 1499ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد نانک نے مقدس مقامات، تیرتھوں اور خانقاہوں میں حاضری دی۔ صوفیوں، سنتوں اور سادھوؤں سے ملا۔ اگرچہ نانک نے پنجاب کے معروف صوفیائے کرام سے عقیدت کا اظہار کیا اور مکہ معظمہ بھی گئے لیکن نانک نے اپنا دھرم نہیں چھوڑا۔ انہوں نے بیک وقت ہندو سکھ اور مسلمان تینوں مذاہب اور عقائد کو اپنانے کی کوشش کی۔ وہ توحید کے قائل اور رسالت کے اقراری تھے۔ نماز پڑھی، روزے رکھے، قرآن مجید پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کے کلام کو مذہب کا حصہ بنایا لیکن انہوں نے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا۔

ان کا الگ مکتبہ فکر بنا جس میں سکھ گوروؤں جانشین ٹھہرے۔ بعض نے بابا نانک کے اصولوں سے انحراف کیا۔ اس طرح بھگتی تحریک کا یہ حصہ بنیادی طور پر غیر مسلم ہی رہا۔

1734ء میں سوامی نارائن سنگھ نے شیو نارائن کے نام سے الگ فرقہ بنایا لیکن اس کی مذہبی کتاب بھی گرنتھ صاحب تھی۔

اسی طرح اٹھارہویں صدی کے وسط میں رام چرن نے رام مہینی فرقہ بنایا جس میں صرف سادھو شامل ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد سہجانند کا سوامی نارائن فرقہ سامنے آیا۔ دولن داس نے ست نامی فرقے کو دوبارہ منظم کیا۔ یہ سب بظاہر بت پرستی کے مخالف تھے لیکن ہندو دھرم سے آخری سانس تک جڑے رہے۔

1757ء میں جنگِ پلاسی ہوئی۔ نواب سراج الدولہ اپنوں کی غدار کی باعث شکست کھا گئے۔ اس کے ساتھ ہی بنگال کی نمایاں مزاحمتی تحریک ختم ہو گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی پہلے ہی بنگال، بہار اور ارد گرد کے علاقوں میں مستحکم ہو رہی تھی۔ دلی حکومت اپنی حمیت کھونے کے بعد عزت و تکریم سے محروم ہو گئی تھی۔ اگلی اور آخری جنگ میسور کے حیدر علی نے لڑی جس نے انگریزوں کو شکست دی۔ انگریزوں نے سنبھالا لینے کے لیے صلح کر لی لیکن وہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے لیے سرگرم رہے اور 1790ء میں سلطان فتح علی ٹیپو کی شہادت کے ساتھ ہی ریاستی سطح پر مسلمانوں کی مزاحمت نے آخری بجکی لی اور برصغیر میں ”انگریز بہادر“ معروف ہو گیا۔

مسلمانوں کی طویل حکمرانی کے بعد انگریز کے ہندوستان پر قبضے سے ہندو و طبقتوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے محکومی کو ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا اور وہ اپنی پوری توجہ دھرم پر دے رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو پوری طرح قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی بدیسی انگریز انہیں اچھے لگتے تھے۔ تاہم ایک طبقہ ایسا پیدا ہونے لگا تھا جس کے نزدیک ہندو دھرم کو

”ایکتا“ میں رکاوٹ، مزاحمت یا دوری پیدا کرنے والی رسموں اور مختلف قسم کی پوجا پاٹ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور انگریز کے ذریعے آنے والے نئے علم سے استفادہ کرنے کی ضرورت تھی جس نے سیاست کے ذریعے ہندوستان پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف مزاحمت بھی کامیاب نہیں رہی تھی۔ اس لیے انہیں انگریز حکمران، مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ اچھا لگ رہا تھا کیونکہ اس کا براہ راست مقابلہ مسلمانوں سے تھا۔

19 ویں صدی کے آغاز میں دھرم اور نئی سکھشا کو ایک ساتھ ملا کے ہندو دھرم کو بچانے اور ہندو قوم کو ترقی کی طرف لے جانے کے لیے مختلف تحریکوں کا آغاز ہوا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان تحریکوں کو چلانے والے برہمن تھے جو صدیوں سے چلی آرہی رسموں کا ”کھنڈن“ (نذمت) کر رہے تھے اور ایک بھگوان کی سکھشا (تعلیم) دے رہے تھے۔ اکثر لوگوں کا تعلق بنگال سے تھا، وہ بنگال جہاں ہندو دھرم نے مافوق الفطرت مخلوق اور قدرتی مظاہر کو بھگوان یا اس کی شکتی (طاقت) کے روپ میں اپنے دھرم کا ٹوٹا انگ بنا رکھا تھا۔

ان تحریکوں کو چلانے والوں نے تاریخ اور ہندوستان میں ہندومت کے زوال لیکن باقی رہنے کے اسباب کا مطالعہ اور تجزیہ کیا۔ یہ بات واضح تھی کہ محمد بن قاسم کی آمد کے بعد اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی تھی جو برصغیر میں صوفیائے کرام کے کردار کے باعث بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔ تاہم اہم بات یہ تھی کہ جو مسلمان ہوئے وہ پرانے سماج سے ثقافتی اور رواجی رشتوں کے باعث کہیں نہ کہیں جڑے ہوئے تھے۔ نو مسلم لوگ مساجد میں ایسے ہی جاتے تھے جیسے اُن کی حاضری مندر میں ہوتی تھی۔ برہمن پنڈت کی جگہ مولوی صاحب نے لے لی تھی۔ کئی جگہوں پر ایسا بھی ہوتا تھا کہ پوجا کے لیے پہلے پنڈت کو بلا لیا جاتا، پھر مولوی صاحب سے آنے کی درخواست کی جاتی۔ کہیں ایسا بھی ہوتا کہ محلے میں ایک ہندو اور ایک نو مسلم کے گھر میں تقریبات ہوتیں تو بیک وقت مولوی صاحب اور پنڈت دو الگ الگ

تقریبات میں جاتے۔ ان مواقع پر بزرگ نسل، کسی نہ کسی بہانے ایک دوسرے سے سلام نمستے کر لیتی۔ اکٹھے رہنے کے باعث محلے داری اور ہمسائیگی کا احساس تھا، حقوق و فرائض بھی نبھائے جاتے۔ بہت سی ہندو و انہ رسمیں، کسی نہ کسی شکل میں، مسلمانوں میں چلی آ رہی تھیں جو بتدریج کم ہو رہی ہیں۔

13 ویں سے 15 ویں صدی تک بھگتی تحریکوں کے دوران رام اور رحمان، قرآن اور پران، وید اور کتاب کے گیت گائے جاتے رہے۔ یہ تحریکیں شمالی ہندوستان، مغربی ہندوستان اور مشرقی ہندوستان میں چلیں۔ ان تحریکوں کے ذریعے ایک ہی دھرم لیکن مختلف نام کا فلسفہ اپنایا گیا۔ مقصد بظاہر لوگوں کو امن اور اخوت کا پیغام دینا تھا لیکن اصل میں یہ تحریکیں اسلامی تصوف کو نیارنگ دینے اور ہندومت کو محفوظ رکھنے کے لیے چلائی گئی تھیں جن میں رامانند، کبیر، دادو، رام داس، سور داس، چٹیانہ اور نانک معروف بھگت ہوئے۔ ان میں سے گورو نانک نے مکہ یا ترائی، حضرت محمد ﷺ کی تعریف کی، قرآن کو الہامی کتاب بتایا۔ دیگر مسلمان صوفیائے کرام سے ملاقاتیں کیں لیکن..... اسلام قبول نہیں کیا اور نہ ہی اس کا اعلان کیا۔ اگر گورو نانک نے اسلام کو واقعی دل سے سچا دین تسلیم کیا ہوتا تو وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے، پھر یقیناً سکھ وہ شرمناک کردار ادا نہ کرتے جو انہوں نے 1947ء میں مسلمانوں کے قتل و غارت سے رنگین اور سنگین کیا۔

19 ویں صدی میں پہلی بھگتی تحریک انہی خطوط پر شروع ہوئی۔



برہموسماج

1828ء میں ہندومت کی اصلاح اور عالمگیریت کے حوالے سے ایک اور نمایاں ہندو تنظیم سامنے آئی۔ اس کا بانی رام موہن رائے تھا۔ وہ بیک وقت دو متضاد خیالات لے کر چلنا چاہتا تھا۔ اگرچہ اس نے ذات پات کی مخالفت کی اور رسم سستی کو غلط قرار دیا لیکن وہ اپنی تحریک کی بنیاد ”اُپنشد“ پر رکھ رہا تھا جو متنازعہ اور تحریف شدہ ویدوں سے نچلے درجے کے مذہبی عقائد اور تعلیمات سمجھے جاتے ہیں۔¹⁸ اس کے ساتھ ساتھ وہ کہتا تھا کہ انگریزوں اور دوسرے معاشروں سے علم حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے نزدیک یہی خالص ہندو دھرم اور عبادت تھی۔

رام موہن رائے 1772ء میں برہوان کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا تعلق برہمن گھرانے سے تھا۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے عربی اور فارسی پڑھ لی۔ پھر بنارس جا کر سنسکرت پڑھی۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں رام موہن رائے نے بت پرستی کے خلاف بنگالی زبان میں پمفلٹ شائع کیے تو گھر والوں سے اختلافات ہو گئے۔ وہاں سے علیحدگی کے بعد اس نے انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، یونانی اور عربی زبانیں پڑھیں۔ اس دوران سرکاری ملازمت بھی اختیار کر لی۔ رام موہن رائے نے مختلف مقدس کتابوں کا مطالعہ کیا اور 1814ء میں ملازمت چھوڑ کر کولکتہ میں سکونت اختیار کر لی اور ہندو مذہبی کتابوں کا سنسکرت سے انگریزی اور بنگالی میں ترجمہ کیا۔ فارسی میں ایک کتاب توحید پر لکھی اور عربی زبان میں دیباچہ تحریر کیا 1819ء میں ”سمبد کو مدی“ کے نام سے پہلا بنگالی اخبار جاری کیا 1820ء میں ”یسوع کے احکام“ بنگالی زبان میں شائع کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت سے انکار کیا گیا تھا۔

1828ء میں برہموسماج کی بنیاد ڈالی لیکن خود زیادہ متحرک نہیں رہ سکا۔ 27 ستمبر 1833ء میں وہ انگلستان میں تھا کہ اچانک بیمار ہوا اور اس جہان سے رخصت ہو گیا۔ یوں یہ جماعت آغاز میں ہی یتیم ہو گئی 1842ء میں مہارشی دوارکاناتھ ٹیگور کے بیٹے دیوندر ناتھ ٹیگور نے اس کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی جو رابندر ناتھ ٹیگور کے والد تھے۔ وہ کٹر ہندوؤں سے مختلف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وید غلطیوں سے پاک نہیں ہیں اور یہ کہ ”انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم (ہندو) جاہلوں کی مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے“¹⁹۔

برہمواصول سے متعلق بنگال سے باہر بھی چند تحریکیں چلیں۔ ان میں پرارتھنا سماج، ممبئی میں 1868ء میں قائم کی گئی۔ اس میں مسٹر ایم جی رانا ڈے (1842-1901) اور مسٹر این جی چندر راؤ (1855-1923) نمایاں تھے۔

ان کے علاوہ بنگال میں پنڈت کرشنا گوسوامی، ایشور چندو دیا، اشونی کمار دت اور مانورنجن گوباشا کرنے گیتا کے حوالے سے بھگتی فلسفے کا پرچار کیا لیکن اصل اور آخری مرکز ہندو ازم تھا۔ وہ بیرون ملک سے آئے ہوئے لوگوں (مسلمانوں) کو اپنانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو باقاعدہ گروپ کی صورت میں کام کرتے تھے جبکہ بینکم چندر چیٹر جی نے صرف تصنیف و تالیف سے کام لیا اور انتہا پسندی کی حدود میں داخل ہو گیا 1814ء سے 1830ء تک راجہ موہن رائے دن رات مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران موہن رائے نے بت پرستی، سستی کی رسم اور ذات پات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ بھارتی صحافت کے بانیوں میں سے تھا 1830ء میں مغل بادشاہ اکبر دوم کی پنشن کا مقدمہ پر یوی کونسل کے سامنے پیش کرنے کے لیے لندن گیا۔ وہ ان چند ہندوستانیوں میں سے ایک تھا جو سب سے پہلے انگلستان گئے۔ مغل بادشاہ نے اُسے راجہ کا خطاب عطا کیا۔

دیوندر ناتھ ٹیگور کی مدد کے لئے 1857ء میں ایک 19 سالہ نوجوان کیشپ چندر سین آگے آیا۔ دیوندر ناتھ نے اُسے کولکتہ برہم سماج کا خادم دین بنایا۔ اس کے جواب میں کیشپ نے اُسے مہارشی کا خطاب دیا لیکن 1865ء میں دونوں الگ ہو گئے۔ کیشپ ہندو بیوہ کی دوسری شادی کا حامی تھا۔

دیوندر ناتھ نے اس تحریک کو آگے بڑھانے اور اسے مذہبی روحانی رنگ دینے کی کوشش کی۔ تاہم وہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا 1844ء میں کولکتہ میڈیکل کالج سے دو ہندو طالب علم جدید طبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان گئے۔ ان کے اخراجات دوار کا ناتھ ٹیگور نے برداشت کیے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ بت پرستی، ذات پات اور کئی بھگوان ماننے کے خلاف تنقید اور جدید انگریزی علوم اور بدیسی خیالات کو جاننے، پہچاننے اور اپنانے کے پرچارک کی بنیاد اپنشد تھے جو ہندو دھرم سے متعلق تھے اور انہی کی بنیاد پر وہ نئے ہندوستان کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا تھا۔ کیشپ چونکہ اپنا الگ فرقہ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک نیا دھرم بنانا چاہتا تھا جو ہندومت کے نام پر دوسرے مذاہب کی مخالفت کے بجائے مفاہمت کی پالیسی اپناتا، اسی لیے اس نے دیوندر ناتھ ٹیگور سے علیحدگی اختیار کر لی۔ نومبر 1866ء میں اس نے اعلان کیا کہ ”نودوہان سماج“ کی پرارتھنا میں مسلمانوں، پارسیوں اور چینیوں کی مقدس کتابوں کے اقتباسات بھی پڑھے جائیں۔ اس وقت تک راجہ موہن رائے کا برہم سماج تین حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ادی (حقیقی) برہم سماج کی بنیاد دیوندر ناتھ ٹیگور نے رکھ دی تھی۔ سدھارن (عام) برہم سماج کا بانی پنڈت شیوناتھ شاستری تھا جبکہ نودوہان (نئی اصلاح) سماج کا بانی کیشپ چندر سین تھا۔ پھر اسے پرنا ب چند موجد ار کی حمایت بھی حاصل ہو گئی جو ممتاز مشنری تھا۔ کیشپ کمزور ثابت ہوا 1878ء میں اس نے اپنی تعلیم اور پرچار کے بالکل الٹ اپنی کم

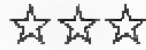
سن بٹی کی شادی (غالباً کسی مجبوری کے تحت؛ کیونکہ وہ شادی میں پھوٹ پھوٹ کر رویا) ایک مہاراجہ سے کر دی۔ اس کے بعد وہ ذہنی طور پر کمزور ہو گیا 1881ء میں اس نے نبی ہونے اور اپنے آپ پر وحی نازل ہونے کا اعلان کیا 1884ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔
برہموسماج کو کافی مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کاشی پر شاد گھوش نے راج موہن رائے کے مقابلے میں ایک اخبار ”ستمبادر تمرنا شک“ کے نام سے جاری کر دیا۔ 10 نومبر 1966ء میں گریش چندر گھوش نے برہموسماج کو مدکاری اور عیاری کا شاہکار قرار دیا۔

دوسری طرف بنگالی ڈرامہ نیارنگ لایا۔ مائیکل مدھوسرن (1824-1873) نے جو تندر موہن ٹیگور کی سرپرستی میں ڈرامہ ”رتناولی“ پیش کیا اور ایک بے قافیہ نظم اس میں شامل کی جس میں کہا گیا تھا کہ میر جعفر افیون پی کر سوچایا کرتا تھا۔ انگریز مال گزاری جمع کرتے اور مر اسلت کرتے۔ بنگالی آنسو بہاتے اور تباہی کی طرف بڑھتے تھے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کرتادھرتا لوگوں نے اپنی لابی مضبوط کرنے کے لیے سب سے زیادہ اہمیت بنگال کو دی اور ہندو نو جوانوں کی سرپرستی کی۔ اس کا مقصد نہ صرف اپنے ہم خیال نو جوانوں کا ایک گروہ تیار کرنا بلکہ ہندوؤں کو بھی تقسیم کرنا اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا تھا۔

1818ء میں انجمن مدارس کولکتہ قائم کی گئی تھی تاکہ نئے تعلیمی ادارے قائم کئے جاسکیں۔ اس کا پس منظر کچھ ایسا تھا کہ 1816ء میں جب موہن رائے کولکتہ میں مقیم تھا تو اس نے ایک جلسہ عام میں بت پرستی کے خلاف زبردست بھاشن دیا۔ لوگ اس کی تعلیمی اہمیت کے معترف تھے۔ وہاں ایک اعلیٰ برطانوی افسر ڈیوڈ David Hare بھی پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس پڑھے لکھے جو شیلے کو مہرہ بنانے کا سوچا۔ چنانچہ ہندو کالج بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چیف جسٹس کو انجمن کا سرپرست بنایا گیا۔ گورنر جنرل کی کونسل کے

ارکان بھی سرپرست بنے۔ پھر 1820ء میں بنگالی لڑکیوں کے لئے کالج بنا لیکن انجمن میں رام موہن رائے کا نام بظاہر شامل نہیں کیا گیا تا کہ پرانے عقائد والے ہندو بھڑک نہ اُٹھیں۔ پھر 1824ء میں نیا سنسکرت کالج بنایا گیا جس کا سنگ بنیاد فری میسن برادری نے رکھا اور اس دور میں لاکھوں روپے کے عطیات دیے۔ ان کالجوں سے انگریزی پڑھے لکھے کلرک انگریزوں کو ملنے لگے جو انگریزی جاننے کو وجہ افتخار بھی سمجھتے تھے۔



آریہ سماج

بنگال سے باہر ہندو مذہب کی پہلی نمایاں تحریک ”آریہ سماج“ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس کا بانی بھی برہمن خاندان سے تھا۔ اس کا اصل نام شکر تھا جسے سوامی دیانند سرسوتی کے نام سے پہچانا گیا۔ دیانند سرسوتی 1824ء میں مغربی ہند کے جزیرہ کاٹھیاواڑ کی ریاست کروڑی میں پیدا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ نو عمری میں اس نے ایک چوہے کو ”شیو“ کی مورتی کے سر پر بیٹھ کر چاول کھاتے دیکھا²⁰۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ مورتی اس چوہے کو بھی بھگانے کی طاقت نہیں رکھتی تو اس کی پوجا سے کیا حاصل؟ چنانچہ اس نے دھرم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ والدین کے منع کرنے پر شادی کی تیاریوں کے دوران گھر سے فرار ہو کر بنارس میں پناہ لی اور 1845ء تا 1860ء تک یوگا اور مطالعہ کیا۔

1875ء میں جب ممبئی میں پرارتھنا سبھا بھی کام کر رہی تھی، دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد بت پرستی اور شرک کو دور کرنا تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ نصب العین ”وید دھرم“ کو زندہ کرنا تھا۔ اس تنظیم کو صرف شمالی ہندوستان میں جگہ ملی جہاں برہمن راج کم تھا۔ اس لیے 2 سال بعد ہی دیانند نے لاہور میں شاخ قائم کر لی تاہم مشرق اور جنوب میں یہ پیش رفت نہیں کر سکا۔ اس نے زور دیا کہ ذات پات ختم کی جائے زیادہ شادیوں پر پابندی لگادی جائے اور تمام زندگی ”ویدوں“ کے مطابق بسر کی جائے۔

بظاہر دیانند ہندومت کی اصلاح کا حامی تھا لیکن بھگوان اور کائنات کی دوسری چیزوں کے بارے میں اس کے نظریہ کی بنیاد بھی وید اور دوسرے شاستروں پر تھی جو غیر ہندو کا وجود برداشت نہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ پہلے پہل وہ ایک سیکولر اور حق پرست سوامی

دکھائی دیتا تھا لیکن صرف چند سال میں اس کا اصل روپ سامنے آ گیا۔ وہ دراصل ساری دنیا کو آریہ سماج بنانا چاہتا تھا۔

آریہ سماج ان ہندو بھگتی تحریکوں کا ایک حصہ تھی جو دوسرے مذاہب (دھرموں) کا احترام کرنے بلکہ انہیں ماننے کا تاثر دیتی تھیں لیکن خود ذات پات اور انتہا پسند ہندومت کے کھوٹے سے بندھی ہوتی تھیں۔ پنجاب میں دیانند کے ساتھی کہنے لگے کہ سکھ ازم دراصل ہندو ازم میں عبادت کا ایک ذریعہ اور لافانی دھرم ہے۔ چنانچہ اس میں سکھ شامل ہونے لگے جنہیں سنان سکھ کہا گیا اور انہوں نے اپنی سنان سنگھ سبھا قائم کر لی۔ اس پر سکھوں نے اپنے دھرم اور اپنی پہچان کو بچانے کے لیے ”نت خالصہ“ بنائی اور پُر امن طریقے سے سکھوں کے اداروں اور گوردواروں پر آریہ سماج کے اثرات سے نجات حاصل کی۔ دیانند نے دھرم کی عزت کے نام پر گائے کی پوجا کرنے والی انجمن قائم کر دی تھی جو مسلمانوں کے خلاف دنگا فساد کرنے کا بہانہ تلاش کرتی رہتی تھی۔ اس نے رام کرشن رائے کی لیڈر شپ کو چیلنج کرنے کے لیے جو اپنی جگہ ایک اور ایسی ہی تنظیم چلا رہا تھا ”ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لیے ہے“ کا نعرو لگایا اور مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیا۔ یہ دراصل شُدھی تحریک کی نئی شکل تھی۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی کتاب ”ستیا رتھ پرکاش“ میں بھی اسلام اور مسلمان اکابرین پر تنقید کی اور عیسائیت، جین مت اور سکھ دھرم پر حملے کیے۔

دیانند ایک کٹر ہندو تھا۔ وہ اچھائی کی تلقین کرتا تھا، بت پرستی کے خلاف باتیں کرتا تھا لیکن مادہ اور روح کو اللہ کی طرح ازلی اور ابدی مانتا تھا۔ نظریہ تناخ یعنی بار بار جنم لینے اور اعمال کے مطابق نئی اشکال میں جو جانوروں کی بھی ہو سکتی ہیں، قائل تھا۔ آریہ سماج کا تیسرا نظریہ نیوگ تھا جس کے ذریعے بغیر نکاح یا مذہبی قبولیت کے عورت اور مرد جنسی تعلقات قائم کر سکتے تھے۔

سوامی دیانند کہتا تھا ”وید کی رُو سے گاؤ ذبح کرنے کے جرم میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو ذبح کر کے خوش کرنا چاہیے۔“²¹

1882 میں اپنے عقائد (دراصل اپنے مشن) کا حوالہ دیتے ہوئے ایک بھاشن میں سوامی دیانند سرسوتی نے کہا ”میں تو اُس دھرم میں وشواس (یقین) رکھتا ہوں جو ایسے آفاقی اور ہمہ گیر اصولوں پر مبنی ہو جنہیں انسانی نسل نے ہمیشہ سچا سمجھا ہو اور آنے والے سے (وقتوں) میں بھی انسانی نسل اسی طرح انہیں سچا سمجھتی رہے گی۔ اصل Primaval Eternal Religion کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی انسانی نسل کی مخالفت سے بالاتر ہے۔ دانا لوگ ایسے لوگوں کے اعتقاد اور تحقیق کو تسلیم نہیں کر سکتے جو جہالت میں اتر گئے ہیں یا تفرقہ کے باعث الگ تھلگ ہو گئے۔ صرف وہ ایمان، حقیقی، سچا اور قابل قبول ہے جو ایسے لوگ پیش کرتے ہیں جو لوگ جو اپنے کہنے کرنے اور سوچنے میں سچے ہیں جو عوام میں اچھائی کو بڑھاوا دیتے ہیں، غیر جانب دار اور تعلیم یافتہ ہیں۔ وہ (بات یا عمل) جسے ایسے لوگ مسترد کریں، اُسے جھوٹ اور ناقابل قبول ایمان سمجھا جائے۔

بھگوان اور کائنات کی دوسری چیزوں کے بارے میں میرے نظریہ کی بنیاد وید اور دوسرے سچے شاستروں پر ہے اور برہما سے جیمنی تک تمام عقائد کے ساتھ اتفاق پر ہے۔ اس کے لیے میں ایک بیان دیتا ہوں تاکہ تمام اچھے لوگ اسے قبول کریں۔ میرے نزدیک صرف وہ قابل قبول ہے جس میں ہر دور کے انسان یقین رکھتے ہوں۔ میں کوئی نیا دھرم یا فرقہ بنانے کی بات نہیں کر رہا۔ میرا واحد مقصد سچ میں یقین رکھنا اور دوسروں کو اسے ماننے میں مدد کرنا یا جھوٹ کو مسترد کرنا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے میں مدد دینا ہے۔

اگر میں جھوٹا ہوتا تو ہندوستان میں موجود دھرموں میں سے کسی ایک کا چشمہ بین بن جاتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس میں کسی ایسی بات کو قبول نہیں کرتا جو اس

ملک یا دوسرے ملکوں میں موجود ہے اور قابلِ اعتراض اور جھوٹ ہے۔ نہ ہی میں اُسے مسٹر دکرنا ہوں جو اچھا ہے اور سچے دھرم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے اور نہ ہی میں ایسا کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مخالفانہ رویہ انسان کے لیے کسی طور فائدہ مند نہیں ہے۔ صرف وہ انسان کہلانے کا مستحق ہے جو سوچنے کی فطرت رکھتا ہو اور دوسروں کے لیے ویسا ہی سوچتا ہو جیسے اپنے لیے سوچتا ہو۔ غلط سے نہیں ڈرتا چاہے وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو لیکن سچے اور با کردار سے ڈرتا ہے چاہے وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ اپنی استطاعت اور ہمت کے مطابق صحیح لوگوں کا تحفظ کرنا چاہیے۔ ان کی اچھائیوں کو بڑھا دینا چاہیے اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنا چاہیے چاہے وہ کتنے ہی غریب اور کمزور اور مالی وسائل کے اعتبار سے خالی ہوں۔ دوسری طرف اُسے چاہیے کہ چاہے پلوں کو تباہ اور دھرتی کے تمام بدمعاش خود مختار حکمرانوں اور اثر و رسوخ رکھنے والے طاقت ور لوگوں کی مخالفت کرے چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ایک انسان کو جب تک اس میں ہمت اور طاقت ہو نا انصافی کو تباہ کرنے اور حق کو مضبوط کرنے کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے۔ اُسے خوفناک مصائب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، حتیٰ کہ اس فرض کے دوران موت کا زہر بھی پینا پڑ سکتا ہے تاہم ایک انسان کی حیثیت سے اُسے کمزور پڑنا اور سمٹنا نہیں چاہیے۔“

رام کرشن پر ہمسایہ

19 ویں صدی کو ہندو تاریخ میں اس لیے بھی اہم حیثیت حاصل ہے کہ ہندو مورخین کے ایک طبقہ کے مطابق وہ ہندو مت کے احیاء کی تحریکوں کا دور تھا۔ دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ یہ دراصل بنگال میں احیائے علوم کا دور تھا جہاں اس عرصہ میں سماجی، سیاسی، مذہبی شعوری انقلاب برپا ہوا۔ صحافت، ڈرامہ، ناول، گیت، سیاست اور سماج نئی ڈگر پر آگئے۔ اس دور کی بنگالی سیاست، ادب اور ڈرامے میں تیزی، طنز اور اپنی حیثیت کو برتر ثابت کرنے اور اس حیثیت کو واپس لانے کے لیے قلم اور زبان کا سہارا لیا گیا۔

بڑی تحریکوں نے صرف ایک خدا کا تصور دیا۔ بت پرستی، ذات پات کو مسترد کر دیا، سستی کی رسم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بچپن کی شادی کو غلط قرار دیا۔ اس کے باوجود تمام ہندو رہنماؤں، سنیاسیوں اور اصلاح پسندوں کی سوچ، وید اور اپنشد سے شروع ہوتی تھی اور گھوم پھر کر وہیں آ جاتی تھی۔ ایک اور بات دیکھنے میں آتی تھی کہ یہ تحریکیں ایک دوسرے سے شخصی تصادم کا رنگ بھی لئے ہوئے تھیں اور بعض واقعات میں ان تحریکوں کے رہنما خود اپنی تعلیمات کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تاہم انہوں نے روایتی ہندو مت کی کئی رسومات ترک کر کے اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔

برہموسماج اور آریہ سماج کی طرح ایک اور برہمن نے جو بالمشکی کہلاتا تھا، 19 ویں صدی میں اپنی الگ تحریک شروع کی۔ یہ بھی بنگال میں پیدا ہوا تھا۔ 18 فروری 1836ء کو مغربی بنگال کے ضلع ہگلی کے ایک گاؤں کمار پوکری میں خودی رام اور چندرنی کے گھر ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام گداہر رکھا گیا جو بعد میں رام کرشن پرہمسا کے نام سے

معروف ہوا۔ اس کے ماں باپ بہت غریب تھے اور مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ گدادھر کو سکول جانے کے بجائے کھیتوں اور باغوں میں جانا وہاں سے گزرتے ہوئے ہندوراہوں سے ملاقاتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ جلد ہی اس کا والد فوت ہو گیا تو پرورش کی ذمہ داری بڑے بھائی رام کمار پر آ گئی۔ اس نے مذہبی تعلیم کے لئے چھوٹے بھائی کو کسی پنڈت کے پاس بھیجنے کا سوچا تو گدادھر نے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نچلی ذات کی کسی عورت سے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اسے سمجھایا گیا کہ ایک برہمن نچلی ذات کے بندے سے دھارمک سکھشا پر اپت نہیں کر سکتا لیکن وہ نہیں مانا۔ زیادہ اصرار ہوا تو اس نے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اسے اس عورت کے پاس بھیج دیا گیا۔ رام کمار کو لکتہ میں ایک سنسکرت سکول میں بطور پروہت کام کرتا تھا۔ وہاں ایک مال دار عورت رانی رشنی نے دکشیشور میں کالی کا مندر بنایا اور رام کمار کو وہاں ملازم رکھ لیا۔ اتفاق سے گدادھر بھی کالی ماں کو سجانے کی ذمہ داری لینے پر رضا مند ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد رام کمار ریٹائر ہو گیا تو ذمہ داری گدادھر کے کندھوں پر آ گئی جو رام کرشن کے نام سے معروف ہونے لگا۔

اس کے ذہن میں اپنی آتما کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ ایک راہب سے تعلیم لینے لگا جو ہمیشہ نگا رہتا تھا۔ اس کی ماتا جی کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ بیٹے کی شادی کر دو۔ اس نے تھوڑی ضد کی اور ایک پانچ سالہ بچی شاردہ سے شادی کی جو تین میل دور گاؤں میں رام چندر مکھرجی نام کے برہمن کی بیٹی تھی۔ رام کرشن نے اپنی بیوی کو آفاقی ماں سمجھ کر تعلیم دی۔ اس نے اپنی بیوی کو تری پورہ سُندری دیوی کا نام دے کر پوجا شروع کر دی اور کہا ”میں تجھے اپنی ماں سمجھ کر دیکھتا ہوں اور وہ ماں بھی جو مندر میں ہے۔“ پہلے تو شاردہ نے یہ کام کرنے سے انکار کیا لیکن آہستہ آہستہ اس میں ہمت آ گئی اور وہ ”ماں“ بن کر پوجا میں بیٹھ جاتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ تمام انسان امر ہیں۔ وہ رگ وید اور شینوا کا ماننے

والا تھا۔ اس کا کہنا تھا ”چتر جیو تشریو“ یعنی جہاں زندگی ہے وہاں شیوا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ زندہ انسانوں سے مہربانی نہ کرو بلکہ خود کو ”شیوا“ سمجھ کر ان کی خدمت کرو۔

اس کے ہم عصروں میں کیشپ چندر سین جو براہموسماج کا رہنما تھا اور پنڈت ایشور چندوویاسا گر نمایاں تھے۔

گلے میں کینسر ہونے کے باعث 16 اگست 1886ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے سولہ شاگرد تھے جن کا سربراہ زیندر تھا جو بعد میں واک نندا کے نام سے معروف ہوا۔ انڈین نیشنل ازم کی بات کرنے والے لوگ اسے گاندھی اربند و گھوش اور ٹیگور کی طرح صف اول کے لیڈروں اور دانشوروں میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس نے وہی کردار ادا کیا جو صدیوں پہلے چیتنیا نے بنگال میں ہندومت کو اسلام کے دباؤ سے بچانے کے لیے ادا کیا تھا۔

ایک مورخ نرسنگھ سل نے 1991ء میں لکھا کہ گدادھر بچپن میں جنسی بے راہروی کا شکار ہو گیا تھا جس کے باعث اُس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں بھی قرار دیا تھا۔ اسی بے راہروی کے باعث اُس میں کئی نفسیاتی مسائل پیدا ہوئے۔²²



چیتنیا

15 ویں صدی کے آخر میں بنگال کی سرزمین پر ہی نو دیپ کے مقام پر چیتنیا پیدا ہوا تھا۔ وہ سال 1485ء تھا۔ 25 برس کی عمر میں وہ سنیاسی بن گیا۔ وہ محبت اور امن کا پیغام لوگوں تک پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس کی بنیاد بھی ویدک دور کی تعلیمات کے خمیر سے اٹھی تھی۔ وہ ایک خوش الحان سنیاسی تھا اور گیت گا کر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا تھا۔

چیتنیا بھی ذات پات کے نظام کا مخالف تھا اور مساوات یعنی برابری کی تعلیم دیتا تھا۔ وہ اپنی تقریر کے بعد اچھوتوں اور چنڈالوں کو گلے لگاتا اور کہتا کہ ”کرشن کے نزدیک برہمن اور شودر ایک جیسے ہیں۔ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ صرف بھگوان کی عبادت کرنے اور پریم اور شانتی سے ہی لافانی اطمینان ملتا ہے۔“

چیتنیا کے عقیدے کے مطابق کرشن (خدا) ہر آتما (روح، انسان) میں موجود ہے اس لیے ہر انسان کی عزت کرو، عاجزی اور انکساری کو اپناؤ۔
بنگال میں بعض ہندو اسے سری کرشن کا اوتار مانتے ہیں۔



ووک نندا

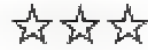
ووک نندا 1862ء میں پیدا ہوا۔ اسے نریندر ناتھ دت کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ جب رام کرشن پر ہنسا کا انتقال ہوا تو اس کی عمر 24 برس تھی۔ وہ نوجوان شعلہ بیاں مقرر تھا۔ اس نے بھی ہندومت کے زیر اثر روحانی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ سبھاش چندر بوس نے اُسے جدید ہندوستان کا بانی قرار دیا جس کے پاس بقول بوس، گوتم بدھ کا دل اور شنکر اچاریہ کی ذات تھی۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے اسے جینیئس کہا۔

ووک نندا نے 1893ء میں مذاہب سے متعلق شکاگو میں ہونے والی عالمی پارلیمنٹ میں بھی شرکت کی۔ اس نے قوانین قدرت کو دریافت کرنے اور ان لوگوں کا احترام کرنے پر زور دیا جو ایسے قوانین کو دریافت کر کے عام انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ اُس نے عالمی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:-

”ہندوؤں نے اپنا دھرم ”ویدوں“ سے لیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ویدوں کا کوئی آغاز ہے نہ اختتام۔ کانوں کو یہ بات عجیب لگے گی کہ ایک ایسی کتاب بھی ہو سکتی ہے جس کا آغاز اور اختتام نہ ہو لیکن ”وید“ سے مراد کتابیں نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے روحانی قوانین کا جمع خزانہ جسے مختلف لوگوں نے مختلف وقتوں میں دریافت کیا۔ جیسے انسانوں کے دریافت کرنے سے پہلے قانون کشش ثقل موجود تھا اور اگر انسان اب اسے فراموش بھی کر دیں تو وہ چلتا رہے گا۔ ایسے ہی ضابطے روحانی دنیا کو چلاتے ہیں۔ اخلاقی، تہذیبی اور روحانی تعلقات جو ایک روح اور دوسری روح اور انفرادی روحوں اور تمام روحوں کے بنانے والے کے درمیان موجود ہیں۔ ان کے دریافت ہونے سے پہلے بھی موجود تھے اور

موجود رہیں گے چاہے ہم ان رشتوں کو بھول جائیں۔

ان قوانین کو دریافت کرنے والوں کو رشی کہا جاتا ہے اور ہم انہیں ایک کامل انسان کی حیثیت دیتے اور ان کا سمان (احترام) کرتے ہیں۔ مجھے حاضرین کو یہ بات بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ ان میں چند سب سے عظیم رشی خواتین ہیں۔²³



بندے ماترم
کل سے آج تک
سیاسی اور مذہبی منافرت کا محور

کانگریس میں بندے ماترم پر پہلا اعتراض

1905ء میں ہونے والی تقسیم بنگال جو انتظامی سہولت کے لیے کی گئی تھی، حکومتِ برطانیہ اور بنگال کے مسلمانوں کو حوصلہ افزا نتائج نہیں دے سکی البتہ اس سے ”بندے ماترم“ کے بھاگ جاگ اُٹھے۔ بنگال بہت زیادہ مذہبی علاقہ ہے۔ وہاں تو دُرگاماتا کی پوجا کے لیے انسانوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ جنتر منتر کے ذریعے علاج اور جادو کیا جاتا تھا۔ آج بھی بنگال کے جادو کا ذکر ہوتا ہے۔ کانگریس میں موجود گنگا دھرتلک جیسے انتہا پسند رہنماؤں نے 1905ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بنارس میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1904ء میں سالانہ اجلاس ممبئی میں سرہنری کاٹن کی صدارت میں ہوا تھا لیکن اس وقت تقسیم بنگال محض ایک تجویز تھی اور 1905ء اس پر عمل کا سال تھا۔ بنارس ہندوؤں کا مقدس ترین مذہبی شہر ہے۔ اس کی صدارت گوپال کرشن گوکھلے سے کرائی گئی۔ پہلی بار 7 ستمبر 1905ء کو آل انڈیا کانگریس کے سیشن کا آغاز ٹھیک گیارہ بجے بندے ماترم گانے سے ہوا۔ وہاں بھارت ماتا کے حق میں زبردست نعرے بازی کی گئی۔ ساتھ ہی اسے شرکا کی جانب سے قومی ترانہ قرار دے دیا گیا۔

”بندے ماترم“ کی دُھن بنگالی ترانہ کے طور پر بنائی گئی تھی۔ اس میں دیہاتی علاقوں اور دُرگادیوی کے جس حسن اور خصوصیات کا ذکر کیا گیا، وہ بھی بنگال تک محدود تھے۔ بینکم چندر چیٹر جی نے اس گیت میں صرف بنگال کی بات کی۔ ہندوستان کے ساتھ کوئی جذباتی تعلق یا پورے ہندوستان کا ذکر اس میں نظر نہیں آتا۔ گیت میں مادرِ وطن کی پوجا اور دُرگاماں کی طاقت کے لیے سات کروڑ انسانوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس وقت کے صوبہ بنگال (جس میں

موجودہ بنگلہ دیش کے علاوہ بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھے) کی آبادی سات کروڑ تھی۔

1911ء میں تقسیم بنگال کی تفتیش کا اعلان ہوا تو بندے ماترم کی مقبولیت مزید بڑھ گئی اور ہندوؤں میں احساس پیدا ہوا کہ وہ اپنے مطالبات منوانے کی پوزیشن میں ہیں۔ چنانچہ آل انڈیا کانگریس اور دوسری مذہبی تنظیموں نے اسے اپنالیا۔

بینکم چندر چیٹرجی اپنی زندگی میں بندے ماترم کی مقبولیت نہیں دیکھ سکا البتہ دوسرے لوگوں نے اسے ضرور کیش CASH کیا۔ پنڈت وشنو دگا مہر پالوسکر نے جو ایک معروف گلوکار تھا، ”گندھاروا مہاودیا لہ“ کی بنیاد رکھی اور 1911ء کے بعد سے ”بندے ماترم“ کو عوامی تقریبات کا حصہ بنا دیا۔ سودیشی تحریک کے دوران اس نے لاہور میں ”بندے ماترم“ گایا۔ وہ اچھی آواز کا مالک ہی نہیں، پڑھا لکھا بھی تھا۔ وہ اکثر آل انڈیا کانگریس کے اجلاسوں کے آغاز میں بندے ماترم گا کر لوگوں سے داد و تحسین حاصل کرتا تھا۔ کانگریس اور بندے ماترم آپس میں جڑ گئے تھے۔

1923ء میں پہلی بار کانگریس کے فورم پر بندے ماترم کا تنازعہ شروع ہوا۔ آندھرا پردیش میں کاکی تاڑہ کے مقام پر آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر کانگریس کے صدر تھے اور اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ حسب معمول پالوسکر کو دعوت دی گئی۔ جونہی وہ بندے ماترم گانے کے لیے اپنی نشست سے اٹھا، مولانا محمد علی نے اعتراض کیا کہ یہ گیت اُن کے دین کے خلاف ہے۔ سب دم بخود رہ گئے لیکن پالوسکر نے اپنی عوامی مقبولیت اور موقعہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا:-

”یہ ایک قومی فورم ہے کسی ایک طبقے کا پلیٹ فارم نہیں ہے۔ یہ مسجد بھی نہیں ہے کہ موسیقی پر اعتراض کیا جائے۔ یہاں موسیقی پر پابندی لگانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب (کانگریس کا) صدر صدارتی جلوس میں موسیقی کو برداشت کر سکتا ہے تو اُسے یہاں کیوں

اعتراض ہے؟“²⁴

یہ کہتے ہی صدر کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے بندے ماترم گانا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی شرکاء کی اکثریت ہمنا ہو گئی۔ مولانا محمد علی جوہر اجلاس سے باہر چلے گئے اور گیت ختم ہونے کے بعد واپس آ گئے۔ گیت گانے کا سلسلہ جاری رہا۔ چند مہینے بعد گاندھی جی نے اس قومی گیت کی اہمیت اور مقبولیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:-

”جب ہم مادرِ وطن سے متعلق یہ گیت بندے ماترم گاتے ہیں تو ہم اسے پورے بھارت کے لیے گاتے ہیں۔“²⁵

مولانا محمد علی جوہر کے اعتراض اٹھانے کے بعد مسلمانوں میں اس گیت کے خلاف منفی جذبات زیادہ ہونے لگے۔ اس کی وجہ گیت میں دُرگادیوی کی پوجا کے علاوہ آئندہ مٹھ میں مسلمان حکمرانوں اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی نفرت بھرے مکالمے تھے۔ مسلمان صرف ایک اللہ کو مانتا ہے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتا جبکہ بندے ماترم گانے سے صرف دُرگادیوی ہی نہیں بلکہ شیوا کی خصوصیات بھی ذہن میں اُبھرتی ہیں۔



بندے ماترم، کانگریس اور گاندھی جی

20 ویں صدی کے آغاز میں نئے ڈھنگ کے ایک ڈرامائی کردار کی ہندوستان کی سیاست اور دھرم یوگ میں آمد ہوئی۔ یہ صاحب، گجرات کے علاقہ کاٹھیاواڑ سے تعلق رکھتے تھے۔ ذات پات کے اعتبار سے تیسرے درجے کے ہندو یعنی بنیا تھے جن کے بارے میں آج بھی کہا جاتا ہے کہ بنیا صرف لین دین اور کمائی کرنے میں یقین رکھتا ہے۔ دھرم اور اخلاقیات اس کے نزدیک ثانوی قسم کی باتیں ہیں۔

موہن داس کرم چند گاندھی کے پتاجی علاقہ کی ریاستوں میں دیوان رہے۔ وہ اپنے اس بیٹے کو بھی دیوان بنانا چاہتے تھے لیکن ایک وکیل انکل کے کہنے پر موہن داس نے وکیل بننے کے لیے اصرار کیا۔ برادری والوں نے کہا کہ اگر ”کالے پانی“ (سمندر) کو عبور کرو گے تو دھرم اور ذات دونوں بھر شٹ ہو جائیں گے لیکن جین مت سے تعلق رکھنے والے ایک مذہبی پیشوا (گاندھی جی کے بڑے جین مت کے ماننے والے تھے) کی سفارش پر ماں اور گھر والے مان گئے۔ گاندھی جی نئی نویلی دلہن کو گھر چھوڑ کر لندن چلے گئے اور وہاں سے قانون کی تعلیم لے کر واپس آ گئے۔ پریکٹس نہیں چلی بلکہ پہلے ہی مقدمے میں جرح کرنے کی بجائے گھبرا کر بیٹھ گئے اور مقدمہ کسی دوسرے وکیل کے حوالے کر دیا۔ پھر مسلمان تاجروں کے ہاں جنوبی افریقہ میں نوکری مل گئی۔ وہاں سوشلزم پڑھا، گورے حکمرانوں اور کالے زمین واسیوں کے تعلقات دیکھے تو سیاست میں آنے کی سوچھی۔ وہاں چند سال گزارے، پھر جنوبی افریقہ سے ملک بدر کر دیے گئے تو اگست 1914ء میں سیدھے انگلستان چلے گئے۔ تب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تھی دوستوں نے مشورہ دیا کہ ہندوستان جا کر سیاست کرو

اور جنگ کی دلدل میں پھنسی ہوئی انگریز سرکار سے مراعات لینے کی کوشش کرو۔ گاندھی نے انکار نہیں کیا بلکہ انگریز سرکار کے وفادار کی حیثیت سے ایک نرسنگ رضا کار تنظیم بنانے کا اعلان کر دیا۔ چند لوگوں کی ایک ٹیم بھی تیار کر لی مگر برطانوی افواج نے لندن سے باہر نہیں جانے دیا۔ چند ہفتوں میں سردی زیادہ ہو گئی تو گاندھی اعصابی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ تب ڈاکٹروں اور دوستوں کے کہنے پر گرم علاقے یعنی ہندوستان کی طرف واپسی کا پروگرام بنا۔ بمبئی پہنچنے تک طبیعت خاصی بحال ہو گئی۔ یہ جنوری 1915ء تھا۔

اس سفر کے دوران گاندھی نے ٹریڈ یونین اور دھرم دونوں کو اپنا سیاسی ہتھیار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ واپس آتے ہی سب سے پہلے صوبہ گجرات کے کپڑے کے صنعت کاروں سے قرضہ لے کر احمد آباد میں دریا کنارے آشرم قائم کیا جس میں زرعی فارم بنائے۔ لوگوں کو مل کر کاشت کرنے کے لیے آمادہ کیا اور ساتھ ہی چرخا کاتنے دیسی کپڑا پہننے اور درآمد شدہ انگریزی کپڑے کے بائیکاٹ کی مہم چلائی۔ اپریل 1917ء میں چمپارن کے علاقے میں کسانوں کے لیے حقوق کی جنگ لڑی۔ جولائی 1917ء میں احمد آباد کے علاقے میں طاعون پھیل گیا۔ صنعت کاروں نے مزدوری بہت کم کر دی۔ گاندھی نے مزدوروں کو مکمل بائیکاٹ پر آمادہ کر لیا۔ تھوڑے عرصہ بعد مزدور ہتھیار ڈالنے والے تھے تو ایک ممتاز صنعت کار امب لال سارا لال نے چپکے سے گاندھی کی مالی مدد کر دی۔ ہڑتال پھر تازہ دم ہو گئی۔ 21 فروری 1918ء کو مزدور اجرت میں 25 فی صد اضافے پر خوش ہو گئے۔ گاندھی کو رنج ہوا کہ معاہدہ کرتے وقت انہیں کسی نے پوچھا تک نہیں۔ انہوں نے 15 مارچ کو ’درخت دیوتا‘ کے سائے تلے اعلان کیا کہ یہ دھوکہ ہوا ہے اور وہ پورا انصاف ملنے تک برت رکھیں گے۔ تین دن بعد گاندھی جی نے ثالث بن کر تنخواہوں میں مزید پانچ فی صد اضافہ کروا دیا۔ گاندھی جی کی جے جے کار ہو گئی۔ دلی حکومت اپنے اس وفادار کی

سرگرمیوں پر نظر رکھ رہی تھی۔ اپریل 1918ء میں وائسرائے نے انہیں دلی بلایا تو گاندھی جی رضا مند ہو گئے۔ وہاں سے انگریز سرکار کے لیے ہندوستانی فوجی بھرتی کرنے کا آدیش (حکم) ملا گاندھی جی نے سر تسلیم ختم کر دیا کیونکہ وہ سرکار کے وفادار تھے۔²⁶

خوشی خوشی انہوں نے اس کام کا آغاز احمد آباد کے علاقہ سے شروع کیا لیکن مزدوروں نے اُن کی بات پر کان نہیں دھرے۔ وہ جگہ جگہ گئے، خوار ہوئے سب اندازے اور خوش فہمیاں وہم و گمان میں بدل گئے۔

اس وقت گنگا دھرتلک جیسے انتہا پسند دھرم کے نام پر سیاست میں آگے بڑھ رہے تھے۔ گاندھی نے اُن سے بڑا ڈرامہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے آریہ سماج، برہموسماج، اسلام، عیسائیت، بدھ مت سب کے لیے مساوات، عورتوں کی قدر و منزلت اور آپس میں پیار و محبت کے نعرے یکجا کر دیے۔ پہلے بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ کیا، پھر غربت کے نام پر اپنے کپڑے مختصر کر دیے۔ ٹرین کے تیسرے درجے میں یا پیدل سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یوں گاندھی 'رام' کے ساتھ ساتھ "میرے عوام، میرے رام" کرتے ہوئے ہندوستان کی سیاست میں کود گئے۔ جدیدیت کے علمبردار لیکن "وید" میں یقین رکھنے، عورتوں پر جنسی تجربات کرنے اور ہندو راج کے خوب دیکھنے والے سیکولر مہاتما جو بیک وقت کورو پانڈو، رام، کرشن، اندر، شیوا، ویشنو اور نجانے کیا کیا بننا چاہتے تھے۔

ہندوستان واپس آتے ہی کوٹ پتلون اور نلٹائی کو اتار پھینکا تھا۔ لنگوٹ اور ایک لمبے رومال کو جسے پنجابی زبان میں "پرنا" کہتے ہیں، تن ڈھانپنے کے لیے اور لکڑی کی کھڑاویں کو پاؤں کا پہناوا بنایا۔ وہ اس منفرد لباس کے باعث جلد جانے پہچانے لگے۔ ان کے ستارے بہتر حالت میں تھے کہ تحریکِ خلافت شروع ہو گئی۔ گاندھی نے اس کی حمایت شروع کر دی۔ انہیں شردھانند کا ساتھ بھی مل گیا۔ ان دونوں نے مسلمانوں کو اس قدر

جذباتی کیا کہ انتہا پسند شردھانند کو مسلمان اپنے کندھوں پر بٹھا کر جامع مسجد دلی لے گئے جہاں اس نے منبر سے تقریر کی۔ پھر حالات بدلے گاندھی نے اپنی مرضی کے مطابق مناسب موقع پر تحریکِ خلافت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ترکی میں خلافت ختم کر دی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے انگریزی اخبار ”ینگ انڈیا“ میں خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:-

”میں نے اپنے دھرم کو بچانے کے لیے خلافت کی حمایت کی۔ خلافت کے لیے اپنی جان کی پیش کش کر کے میں نے گائے کی رکھشا کی ضمانت حاصل کر لی۔ یہ میرا دھرم ہے۔“
مسلمانوں کے بارے میں انہوں نے لکھا:-

”میرا ذاتی تجربہ بلکہ پختہ رائے ہے کہ مسلمان دھونس جمانے والے جبکہ ہندو بزدل ہیں اور ایک ہندو کی حیثیت سے مجھے ایک مسلمان کی دھونس سے اتنی ناراضگی نہیں جتنا ہندو کے بزدل ہونے سے شرمندہ ہوں۔“²⁷

انہی گاندھی جی نے مارچ 1918ء میں جب ہندو ازم کا بھوت ناچ رہا تھا، کہا تھا:-
”ہندوستان کے طول و عرض میں ایک ہندو بھی ایسا نہیں جو ایک دن اپنی سرزمین کو گائے کشی سے آزاد کرانے کی اُمید نہ رکھتا ہو۔ ہندو دھرم جیسا کہ میں اسے جانتا ہوں عیسائی یا مسلمان کو بزورِ شمشیر بھی گائے کشی چھوڑنے پر مجبور کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔“²⁸
دو سال بعد گاندھی جی نے اپنا آپ ”ینگ انڈیا“ کے شمارے میں ظاہر کیا۔ انہوں نے لکھا:-

”میں اپنے آپ کو سنا تن ہندو کہتا ہوں کیونکہ اولاً: میں ویدوں، اپنشدوں اور پرانوں اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں کے نام سے جو چیزیں معروف ہیں ان سب پر ایمان رکھتا ہوں اس لئے اوتاروں اور دوبارہ جنم میں بھی میرا ایمان ہے۔“

دوم: میں ورنہ آشرم دھرم ذات پات جیسے بھی اس کی ویدک صورت ہے مانتا ہوں۔

سوم: میں گنور کھشاکو اپنے دھرم کے ایک جزو کی طرح مانتا ہوں۔“²⁹

1924ء میں جب ان کے ظاہر سے ہندو طبقے کا ایک حصہ انہیں مشکوک سمجھنے لگا

تو انہوں نے ایک بیان میں کہا:-

”کچھ اس قسم کی باتیں کی گئی ہیں کہ مسلمان دوستوں کے ساتھ زیادہ میل جول کے

باعث میں اپنے آپ کو ہندو ذہن کو سمجھنے کے نا اہل بنا رہا ہوں۔ ہندو ذہن تو خود میری ذات

ہے۔ یقیناً میں ہندو ذہن کو سمجھنے کی خاطر ہندوؤں کے درمیان رہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا

کیونکہ میرے وجود کا ہر ریشہ ہندو ہے۔“³⁰

ایک اور انتہا پسند ہندو لیڈر لالہ ہر دیال سنگھ اُن سے زیادہ آگے چلے گئے۔

انہوں نے کہا کہ ”افغانستان کوئی جدا ملک نہیں یہ ہندوستان (پنجاب) کا ایک حصہ ہے۔

افغانستان میں ہماری مورتیاں بُت اور مندروں کے کھنڈرات آج تک پائے جاتے ہیں۔

جب تک افغان اور سرحدی قبائل کے مسلمان بھی ہندو قوم میں شامل نہیں کئے جائیں گے

اس وقت تک ہمارے دلش کی حفاظت کا پورا پورا انتظام نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی تاریخ

سے ظاہر ہے کہ ان پہاڑی علاقوں سے ہمیں بہت دکھ پہنچ سکتا ہے مگر اس دکھ کا اندیشہ صرف

اس وقت تک ہے جب تک یہ بہادر لوگ اسلام کے پیروکار اور مسلمان ہیں لیکن جب ہم

ان کو ہندو بنالیں گے تو یہ خطرہ جاتا رہے گا۔ لہذا افغان اور سرحدی مسلمانوں کو ہندو بنانا

ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔ تمام ہندو قوم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ہندو کے سامنے تین

اصول ہر وقت رہنے لازمی ہیں: ایک ہندو سوراج، دوسرا ہندوستان کے سب مسلمانوں اور

عیسائیوں کو ہندو بنانا، تیسرا افغانستان اور سرحد کو ختم کرنا اور وہاں کے باشندوں کو

ہندو بنانا۔“³¹

ہندو سنگھٹن کے اس نیتا کا 9 دسمبر 1925ء کے ہفت روزہ الوکیل امرتسر میں ایک بیان شائع ہوا جس میں کہا گیا تھا:-

”ہم مسلمانوں کے سامنے یہ شرائط رکھیں گے کہ قرآن کو آسمانی کتاب نہ مانو، محمد ﷺ کو اللہ کا نبی نہ مانو، مکہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھو، سعدی اور رومی کے بجائے کبیر اور تلمسی داس کو پڑھو، ہندوؤں کی تقریبات میں اور وہ جن کا تعلق رام، کرشن اور دوسرے ہندو دیوتاؤں اور اوتاروں سے ہے، شرکت کرو“۔³²

روزنامہ ”تیج“ دلی نے جس میں گاندھی جی کے بیانات اکثر جلی حروف میں چھپتے تھے 1926ء کے کرشن نمبر میں لکھا ”جن گائیوں کو بھگوان کرشن عقیدت کے ساتھ جمنا ندی کے مقدس مقام پر چرایا کرتے تھے آج تم ان کی رکھشا کرو اور ان (گائیوں) کو گٹو ہٹا کاروں سے بچاؤ۔ ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب تم لوگ شدھی سنگھٹن اور دلت ادھار کا اپنے دل میں عہد کر لو۔ یہی گائیوں کے پالنے والے کرشن کی سچی بھگتی ہوگی۔ اسی سے ہمارا دلش بنے گا، اختلافات مٹیں گے، باجا اور مسجد کا مسئلہ حل ہوگا، ہمیں سوراج ملے گا۔ دُنیا بھر میں آریہ دھرم کا جھنڈا بلند ہوگا اور بھارت انتر راشٹریہ حکومت کا مالک بنے گا۔“

ہندو اور مسلمانوں کو ایک قومیت بنانے والے گاندھی جی جو قرآن مجید کو اللہ کی الہامی کتاب اور حضرت محمد ﷺ کو نبی مانتے تھے قرآن اور گیتا میں مماثلت بتاتے تھے۔ 20 اپریل 1940ء کو ممبئی کے نزدیک جل گاؤں میں آل انڈیا ورلن سرام دھرم سوراج سنگھ کانفرنس میں بھاشن دیتے ہوئے کہا:-

”ہم نہیں چاہتے کہ مغربی اداروں کی اندھا دھند تقلید کریں اور مغربی لوگوں کی طرح مادہ پرست بن جائیں۔ کانگریس والے ہندوستان کو ایک اور یورپ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہم سوراج اور دھرم دونوں چاہتے ہیں۔ ہم وہی سوراج چاہتے ہیں جو رام

چندر کے دنوں میں تھا، ستانند دھرم کا احیا، رام راج کے احیاء پر زبھر (انحصار) کرتا ہے جو سوراج کے بعد آئے گا۔“

اسی رام راج کی بات اُنہوں نے بار بار دہرائی اور ہندو تنظیموں پر زور دیا کہ وہ ”رام راج“ کو اپنا آئیڈیل بنا کر کام کریں۔ اُنہوں نے کہا ”رام راجیہ کو اپنا آئیڈیل بنائیے۔“³³

تمام دھرموں کی بقا اور آزادی میں یقین کا پرچارک گاندھی ایک یا دو نہیں، کئی چہرے رکھتا تھا۔ اس نے ہندو دھرم کی شکست و ریخت روکنے، ہندو دھرم کے تعصبات کے باعث دور ہونے والوں کو اس ارادے سے باز رکھنے اور مسلمانوں کو دوستی اور بھائی چارے کے نام پر جال میں پھنسائے رکھنے کے لیے خود اپنی نگرانی میں اداروں کا جال بچھا رکھا تھا۔ یہی ادارے اُس زہر کو پھیلاتے رہے جو بندے ماترم کے زہریلے مصرعوں میں سمودیا گیا ہے اور آج تک کالی دیوی کی طرح غیر ہندوؤں کی جان و مال کی بھینٹ لے رہا ہے۔

گاندھی جی آل انڈیا کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہیں تھے۔ اس کے باوجود کانگریس کے وادائے ہوئے تھے۔ وہ جب چاہتے، کانگریس کے نمائندے یا سرپرست یا ولی بن جاتے اور جب ضروری سمجھتے، اس سے لاتعلقی اختیار کر لیتے کیونکہ وہ اس کے ممبر نہیں تھے۔ اُنہوں نے سماج سیوا کے نام پر 9 ادارے منظم کیے جن کا مقصد چانکیہ کے فلسفہ کے مطابق دشمن کے خلاف جذبات تازہ رکھنا اور اپنا مطلب ہر وقت نظروں کے سامنے رکھنا تھا۔

گاندھی آشرم واردھا دراصل مذہبی ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہیں منصوبے بنتے اور ان پر عملدرآمد کے لئے احکامات جاری ہوتے۔ کانگریس کی قیادت بھی اکثر یہیں ”مہاتما“ گاندھی کے پاس آتی تھی۔

اس منصوبے کو چلانے کے لیے گاندھی نے 9 بااعتماد نائب مقرر کیے تھے۔ انہیں

وزیر کا درجہ حاصل تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ یہ تھا کہ نجلی ذات کے ہندو جنہیں ہریجن کہا جاتا تھا، مزید دور چلے جائیں گے۔ ہریجنوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لیے ہریجن سبھا سنگھ قائم کیا گیا تھا۔

سنسکرت زدہ ہندی کو قومی اور سرکاری زبان تسلیم کرانے کے لیے ہندی پر چارک سنگھ ادارہ تھا۔ اُردو کے بجائے دیوناگری رسم الخط کے لیے ناگری پر چارک سبھا بنائی گئی تھی۔ دیہات سدھار کے نام پر گاندھی ازم کا پرچار کرنے کے لیے گرام سدھار سبھا نام کا ادارہ بنایا گیا۔ گاندھی ازم کو زندہ رکھنے کے لیے کھڈی پراسنتھان تھا جس کے ذریعے چرخے اور کھڈی کو عام کرنا تھا۔ گو رکھشا سبھا قائم کی گئی جس کا مقصد گائے کا تقدس بحال کرنا اور اس کی پوجا کرنا تھا لیکن اصل میں اسے ہندو مسلم فسادات کے لیے استعمال کرنا تھا کیونکہ دونوں قوموں کے مابین سب سے زیادہ فسادات گائے کشی کے سوال پر ہوئے۔

ہیڈ کوارٹر دارودھا گاؤں کے نام پر دارودھا تعلیمی سنگھ بنایا گیا جس کا مقصد تعلیم کو گاندھی جی کے اصولوں کے مطابق ڈھالنا تھا اور یہ اصول 1937ء کے عام انتخابات کے بعد سامنے آ گئے جب اُن ریاستوں میں جہاں کانگریس کی حکومتیں قائم ہوئیں، بندے ماترم گانا، گاندھی کی مورتی کی پوجا کرنا، سرسوتی کی مورتی کے سامنے سر جھکانا جیسی کئی اور غیر اسلامی حرکتیں کرنے کے لیے مسلمان طالب علموں کو مجبور کیا جاتا تھا (یہ سلسلہ 2008ء تک بھی جاری ہے)۔ مشہور فرانسیسی مصنف اینے ڈیپوس نے اپنی کتاب ”ہندوئز، کسٹمز اینڈ سرمونیز“ میں ہندوؤں کی اخلاقی اقدار رسم و رواج کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کتاب کے صفحہ 294 پر لکھتا ہے: ”ہر ہندو سچ چھپانے میں ماہر ہے لیکن اس معاملے میں براہمن تمام ذاتوں سے بہت آگے ہے۔ یہ برائی اُن میں اس درجہ گھر کر چکی ہے کہ وہ اس پر شرمسار ہونے کے بجائے اسے فتح مندی اور فخر سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں براہمن تو فائدہ حاصل کرنے کے لیے کسی

بھی حد تک گر سکتے ہیں۔ وہ تاجروں اور سرمایہ داروں کی چمچہ گیری کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔“

اس تجزیاتی رپورٹ میں گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سب سے زیادہ فٹ نظر آتے ہیں۔ ہندو کے بارے میں وہ صفحہ 307 پر لکھتا ہے کہ ”ان کے نزدیک ذاتی مفاد کے مقابلے میں دیانت داری ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔“ جب محمد علی جناحؒ نزدیک سے گاندھی جی کے کردار کا اصل روپ دیکھنے کے بعد کانگریس سے الگ ہو چکے تھے تب کانگریس پر انتہا پسند ہندو قبضہ جمانے میں پوری طرح کامیاب ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک بھائی پرمانند بھی تھے۔ ان کا خیال تھا:-

”اگر ہندو قوم میں جاگیرتا (بیداری) پیدا ہو جائے تو نہ صرف ہندو راج قائم ہو جائے گا بلکہ دوسرے مقاصد بھی یعنی مسلمانوں کو شددھ کرنا اور اسلام کو فتح کرنا حاصل ہو جائیں گے۔“^۵

بندے ماترم کوئی شکیں 1931ء میں ہونے والے عام انتخابات کے نتیجے میں ملی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے 1934ء سے مسلم لیگ کو منظم کرنے کے لیے اقدامات شروع کئے تھے۔ اس کام کے شروع ہوتے ہی انتخابات آگئے۔ مسلم لیگ نے اس لیے 1937ء کے انتخابات میں حصہ لیا کہ مسلمانوں تک رسائی کا سلسلہ جاری ہو جائے اور کانگریس سے متاثر مسلمان اس کی حقیقت بھی جان سکیں۔

ان انتخابات میں کانگریس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ کی ادھوری تنظیم کے علاوہ ہندو ازم، سیکولر ازم اور کانگریس کے ہاتھوں بکنے والی مذہبی تنظیموں نے اس کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم صرف دو سال کے اندر نہ صرف کانگریس کے اصل عزائم سامنے آگئے بلکہ مسلمانوں کی توجہ اور امیدوں کا مرکز قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور آل انڈیا

مسلم لیگ بن گئے۔

جن صوبوں میں کانگریس وزارتیں قائم ہوئیں وہاں کانگریس نے اپنی متوازی پارٹی حکومتیں بھی قائم کر لیں جو انتظامیہ اور عدلیہ میں مداخلت کرنے لگیں۔ تعلیمی اداروں میں ہندو ازم اور ہندی ٹھونسے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ ہندوے ماترم کو پڑھنا لازمی قرار دے دیا گیا۔ بعض تعلیمی اداروں میں گاندھی جی کی مورتی کو پرنام کرنے کے علاوہ سرسوتی ماں کی مورتی کے سامنے جھکنا سب کے لیے لازم قرار دیا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ سرسوتی علم کی دیوی ہے۔ کئی شہروں میں نہ صرف گائے ذبح کرنے پر پابندی لگائی گئی بلکہ اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا گیا۔ جان بوجھ کر اذان اور نماز کے وقت بینڈ بلبہ سے شور مچایا جانے لگا۔ مسلم لیگ کو دبانے اور اپنے آپ کو انگریز کی متبادل قیادت ثابت کرنے کے لیے متوازی حکومت قائم کرتے ہوئے یوپی کے چیف سیکرٹری نے ضلعی حکام کو کانگریس حکومت کے اشارے پر ہدایت کی کہ وہ تمام اہم اقدامات سے پہلے کانگریس کمیٹیوں سے مشورہ کر لیں۔ پیر پور رپورٹ کے مطابق بعض جگہوں پر کانگریس نے اپنے الگ پولیس سٹیشن قائم کر کے خود تحقیقات شروع کر دی۔ اسی صوبہ میں پانچ لاکھ افراد پر مشتمل کانگریسی کارکنوں کی فوج تیار کرنے اور انہیں تربیت دینے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، کانگریسی حکومتوں نے عدلیہ کے معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی۔

اودھ کی چیف کورٹ کے ججوں نے ایک کیس میں ریمارکس دیے کہ حکومت نے اس مقدمہ میں ایک فریق کی ناجائز طرف داری کی ہے جو مقامی کانگریس کمیٹی کا ممبر ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے کانگریس کے ایک ایم ایل اے ڈاکٹر مکر جی کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا:-

”ہم ایسا ماننے میں حق بجانب ہیں کہ پچھلے مقدمے میں بااثر شخصیات نے مختلف

مقدمات میں کسی نہ کسی فریق کے حق میں خطوط لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک خط کے ذریعے مجسٹریٹ کو تاکید کی گئی تھی کہ جن کانگریسی لیڈروں کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے انہیں بری کر دیا جائے۔

ناگپور ہائی کورٹ نے بھی ایسے ہی ریمارکس دیے جن کے مطابق کانگریسی وزیر مہاسبھیوں کی حوصلہ افزائی کرنے ان کے حق میں جھوٹی گواہیاں دلوانے کے علاوہ سفارشی خط بھیج رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ 1937ء میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوتے ہی مسلم کش فسادات اچانک بڑھ گئے تھے۔

دسمبر 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ میں قائد اعظم نے کہا:-

”واردہا سکیم مسلمانوں سے بالابالا تیار کی گئی۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس کا مصنف کون ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے پیچھے گاندھی کا ذہن کام کر رہا ہے۔ اس قسم کی حرکات سے گاندھی خود ایسے اصولوں کو ختم کر رہے ہیں جن کی بنیاد پر کانگریس کی تشکیل ہوئی تھی کیونکہ گاندھی جی نے کانگریس کو خالص ہندو ادارے میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہندو مذہب کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس ملک میں ہندو راج قائم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ کانگریس کو استعمال کر رہے ہیں۔“³⁵

واردہا سکیم کے تحت 7 سے 14 سال کی عمر کے بچوں کے لیے اس نظام کے تحت تعلیم حاصل کرنا لازمی تھی۔ گویا کردار سازی کی اصل عمر میں بچہ اس نظام کا حصہ بن جاتا۔ وطن کی محبت اور باہمی اتحاد کے نام پر درحقیقت یہ مسلمانوں کو ”شدھ“ کرنے کا منصوبہ تھا۔ دُنیا کے تمام مذاہب کو ایک ثابت کرنا اور بھگت کبیر، شہنشاہ اکبر، داراشکوہ اور گورونانک کے نظریات کو پھیلانا بھی اس میں شامل تھا۔ اس کے لئے گاندھی جی نے جواز پیدا کرتے

ہوئے کہا:-

”آج مذاہب کو جس طرح پڑھایا اور ان پر عمل کیا جاتا ہے وہ وحدت کے بجائے اختلاف پیدا کرنے کا موجب ہے۔ میری رائے میں تمام مذاہب میں جو سچائیاں مشترک ہیں وہ سکھائی جاسکتی ہیں اور سکھانی چاہئیں۔“ گویا مختلف سچائیاں نظر انداز کر دی جائیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اس پر خوبصورت تبصرہ کیا۔ انہوں نے کہا:-

”اس پورے نقشے میں دیکھیے تو مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور مذہبی پیشوا عام مشاہیر کی صف میں بیٹھے ہیں بلکہ کہیں کہیں ان لوگوں کو گویوں کے ساتھ بٹھایا گیا ہے۔ مسلمان بچے ان کو اس حیثیت سے نہیں جانیں گے کہ وہ ان کے دین کے ستون ہیں بلکہ اس حیثیت سے جانیں گے کہ دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں سے وہ بھی ہیں۔ اس سے ان میں کبیر پنتھی اور برہم سماجی شعور تو پیدا ہو سکتا ہے مگر اسلامی شعور ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔“³⁶

اسی طرح کا ایک منصوبہ سی پی کے وزیراعظم وی پی شکلا نے نافذ کیا۔ وہ دراصل مہاسبھائی تھے اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے خاص چیلے تھے۔ اس منصوبہ کے تحت سکول کو مندر قرار دیا گیا تھا۔ اس میں صرف ایک اُستاد رکھا جاتا۔ ہندوؤں کے مذہبی تہوار باقاعدگی سے منائے جاتے جہاں ان مندروں میں مسلمان بچوں کو ہندوؤں کی طرح دھوتی باندھنا پڑتی۔ انہیں مورتی پوجا اور دوسری ہندووانہ رسموں میں شریک ہونا پڑتا، پھر بھی انہیں اچھوت سمجھا جاتا، ان کے لیے برتن اور پانی الگ تھے۔ جب یہ منصوبہ اسمبلی میں آیا تو کانگریسی مسلمانوں نے بھی اس کے حق میں ووٹ دینے سے انکار کر دیا مگر کانگریسی ہندوؤں نے اکثریت سے یہ منصوبہ منظور کر کے نافذ کر دیا۔

پنڈت مدن موہن مالویہ ہندو مہاسبھا کا کرتا دھرتا تھا جس کی بنیاد 1900ء میں رکھی گئی تھی۔ مالویہ نے بنارس میں ہندو یونیورسٹی کا آغاز بھی کیا۔ ہندو مہاسبھا ہندو راج کی

حامی تھی اور اس کا نعرہ ”ہندو ہندی“ ہندوستان“ تھا۔ اسی ہندو مہاسبھا کے آگے چل کر کئی روپ اور فرقے سامنے آئے جنہوں نے آنے بہانے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اس میں جن سنگھ، راشٹریہ سیوک سنگھ اور شیو سینا جیسی تنظیمیں بنیں۔

1927ء میں ہندو مہاسبھا سب سے بڑی انتہا پسند مذہبی سیاسی تنظیم تھی۔ اس نے ”ہندو ہندی“ ہندوستان“ کے نام پر دس لاکھ روپے کے چندے کی اپیل کی تو گاندھی جی نے اس کی پرزور حمایت کی اور ہندو سرمایہ داروں سے کہا کہ وہ ہندو مہاسبھا کو چندہ دان کریں۔³⁷ گاندھی جی منافقت کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کی خوش قسمتی کہ جب وہ جنوبی افریقہ سے ہندوستان آئے تو ہندو لیڈروں نے تو انہیں گھاس نہیں ڈالی لیکن مسلمانوں کی تحریک خلافت نے انہیں اپنا رنگ جمانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ پیر پور رپورٹ 1939ء میں سامنے آئی جس میں بتایا گیا تھا کہ واردہ اسکیم کے تحت سرکاری عمارتوں پر کانگریس کے جھنڈے لہرائے گئے۔ کئی شہروں میں گائے ذبح کرنے پر پابندی لگائی گئی۔ پٹنہ میں گھوش اکادمی سے چھ مسلمان طالب علموں کو اس جرم میں نکال دیا گیا کہ انہوں نے بندے ماترم کی تعظیم نہیں کی۔ رپورٹ کے مطابق اس سکیم کا مقصد اردو زبان کو ختم کرنا بھی تھا۔ چنانچہ 2 جولائی 1939ء کو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے واردہ اسکیم کو نا منظور کر دیا۔

بندے ماترم کے گائے جانے پر ہندوستان میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں نے اعتراض نہیں کیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ انہیں گانے پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ بندے ماترم ان کے مذہبی عقائد سے متصادم ہے۔ بہت سے اعتدال پسند ہندو دانشوروں نے اسے عام اجتماعات کے لیے غیر موزوں قرار دیا اور مسلمانوں کے اعتراض کو صحیح مانا۔ سوشلسٹ رہنما ایم این رائے کے نزدیک ”مسلمانوں کی نکتہ چینی صحیح بنیادوں پر قائم ہے“۔ اخبار سٹیٹسمین نے بندے ماترم کو ”تشدد اور فرقہ واریت میں ڈوبا ہوا“ بیان کیا ہے۔ انڈیا سوشل ریفارمر کے ایڈیٹر مسٹر کے نٹ

راجن کی رائے میں 'بندے ماترم' عام اجتماعات کے لئے موزوں نہیں ہے۔

1937ء کے صوبائی انتخابات کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس میں جو 15 اکتوبر 1937ء کو پٹنہ میں منعقد ہوا تھا ایک قرارداد بھی منظور کی تھی جس میں کانگریس کی جانب سے مسلمانوں کے استحصال اور ان پر "بندے ماترم" مسلط کرنے کی کوششوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا کہ یہ گیت اسلام دشمنی اور بت پرستی پر مبنی ہے اور اس حقیقی نیشنل ازم کی نفی کرتا ہے جو مسلمان اقلیت کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کر سکتا ہے۔ قرارداد میں مسلمانوں پر زور دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو اس انتہائی ناقابل اعتراض گیت سے منسلک نہ کریں۔

1937ء کے انتخابات کے بعد بندے ماترم کو جس طرح مسلمانوں پر ٹھونسنے کی کوشش کی گئی اس سے نہ صرف مسلمانوں میں بے چینی پھیلی بلکہ کانگریس کی قیادت بھی سوچنے کے لئے مجبور ہو گئی۔ خدشہ پیدا ہو گیا کہ اس کے نتیجے میں نہ صرف کانگریس کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے بعض مسلم ارکان اسمبلی عوامی دباؤ کے باعث علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں بلکہ جن مسلم لیگی ارکان کو لالچ دے کر کانگریس میں شمولیت کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے وہ بھی کئی کترائیں گے۔ چنانچہ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے جواہر لال نہرو، گاندھی، ابوالکلام آزاد اور سو بھاش چندر بوس پر مشتمل کمیٹی قائم کر دی جس نے رابندر ناتھ ٹیگور سے بھی رہنمائی لینا تھی جنہوں نے اس گیت کی ایک مرتبہ ذہن بھی بنائی تھی۔

کمیٹی نے 28 اکتوبر کو ایک بیان جاری کیا جس کے مطابق "گیت کے پہلے دو بند مذہبی منافرت اور ابہام سے مبرا ہیں اور یہ بنگال میں بھی سب مل کر گاتے ہیں۔ باقی گیت کبھی کبھار استعمال ہوتا ہے اور اب بھی چند لوگوں کو اس کا علم ہے۔ پہلے دو بندوں میں وطن کی خوبصورتی اور اس کی نعمتوں کا سادہ الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں کوئی ایسی چیز

نہیں جو مذہبی یا کسی اور نکتہ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ دوسرے بند بہت کم لوگوں کو یاد ہیں اور شاید کبھی گائے گئے ہوں۔ ان میں بعض ابہام ہیں اور ایک مذہبی نظریہ ہے جو دوسرے مذہبی گروہوں کے نظریات سے میل نہیں کھاتا۔“

کمیٹی نے سفارش کی کہ یہ گیت جب بھی قومی اجتماعات میں گایا جائے تو اس کے صرف پہلے دو بند گائے جائیں۔ اس کے علاوہ تقریب کے منتظمین کوئی بھی دوسرا گیت جس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ ہو، بندے ماترم کے علاوہ یا اس کے بجائے گاسکتے ہیں۔³⁸

اس کے باوجود بندے ماترم کو جہاں بھی بزور طاقت ممکن ہو سکا، گایا گیا۔ کانگریس کی قیادت نے جس سیکولرازم کا مظاہرہ کرنے کی ہدایت کی تھی، وہ بھاپ کی طرح اڑ گیا۔

کمیٹی کی اس سفارش کو انتہا پسندوں نے تسلیم نہیں کیا۔ ایک کانگریسی برہمن رہنما سی راج گوپال اچاریہ نے اس پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہا (بندے ماترم پر) ”یہ رعایتیں صورت حال کو سنبھالانہیں دے سکیں گی۔ ہم گوا اپنے طور اس فارمولے پر عمل کر سکتے ہیں لیکن اگر اسے رعایت کی صورت میں سامنے لائیں گے تو ایسی رعایتیں مزید احتجاج کا جواز بن جائیں گی۔“³⁹ (اچاریہ ماؤنٹ بیٹن کے جانے کے بعد ہندوستان کے دوسرے گورنر جنرل بنے)۔

مسلمانوں کے خلاف مذہبی منافرت جاری رہی۔ برار میں شیواجی ذہنیت رکھنے والا ایک شخص جگ دیورائے جو تعلقہ کانگریس کمیٹی کا صدر اور برار کے کانگریسی لیڈر برج لال رکن کونسل آف سٹیٹ کا چہیتا چچہ تھا، اکثر اسلام کے خلاف بے تنگی شاعری کیا کرتا تھا۔ اس نے ”قرآن کی غزلیں“ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جسے حکومت برطانیہ نے ضبط کر لیا اور اس پر دو سو روپے جرمانہ بھی عائد کیا۔ یہ شخص اپنے جیسے لوگوں کو تعزیر پر گور بھینکنے

اور مسجد اور لاہوریری میں غلاظت پھینکنے پر اُکساتا تھا۔ 17 مارچ 1937ء کو اس نے مسجد کے سامنے عصر کی نماز کے وقت گستاخانہ گیت گائے۔ اس وقت چند مسلمان نماز ادا کر رہے تھے۔ وہ مشتعل ہو کر باہر آ گئے۔ وہاں تصادم ہوا، جگ دیو کو کاری زخم لگے اور وہ مر گیا۔ اس پر وزیراعظم پنڈت روی شکر شکلا نے اپنی مرضی کے تعینات کردہ ڈی ایس پی رائے پر میثور دیال کو جو کٹر ہندو مہاسبھائی تھا، حکم دیا کہ فوری طور پر گرفتاریاں کی جائیں۔ چنانچہ آبادی میں موجود 500 مسلمانوں میں سے 157 گرفتار کر لیے گئے۔ اس ظلم کے خلاف سو بھاش چندر بوس صدر آل انڈیا کانگریس، گاندھی جی اور ابوالکلام آزاد کو تارارسال کیے گئے مگر تینوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ پھر عدالت سے ان لوگوں کو رہائی ملی۔

قائداعظم کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ نے 1937ء کے انتخابات کے بعد لکھنؤ پیکٹ میں درج جذبے کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کا سلسلہ شروع کیا تھا لیکن کانگریس ہوائی گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کے جواب میں کانگریس نے مسلم لیگی ارکان اسمبلی کو وزارتوں اور مراعات کا لالچ دے کر توڑنے کی کوششوں کے علاوہ عوام خاص طور پر مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے سے روکنے کے لئے عوامی رابطہ مہم شروع کر دی۔ کانگریسی رہنماؤں کا موقف تھا کہ مسلمانوں کا اصل مسئلہ دین نہیں، غربت ہے اور سوشلزم اس کا حل ہے۔ اس مہم کو حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے انتہائی ناپسندیدہ اور خطرناک قرار دیا۔ وہ دو قومی نظریہ کو آگے بڑھانے اور اس کی اہمیت مسلمانوں پر واضح کرنے کیلئے جدوجہد کر رہے تھے۔ 1938ء میں وفات پا گئے تاہم قرارداد لاہور دو قومی نظریہ کی بنیاد پر منظور کر لی گئی۔

دو قومی نظریہ جو سر سید احمد خان کے دور میں نیا رنگ اختیار کر چکا تھا 1937ء کے انتخابات کے بعد بالکل واضح ہو گیا تھا۔ ”ہندو راج“ کا نعرہ کسی نہ کسی رنگ میں نمایاں ہو رہا تھا۔ جب مارچ 1947ء میں قرارداد لاہور منظور ہوئی اور ”دو قوم“ کی بنیاد پر

قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا تو ایم کے گاندھی نئی منطق لے کر سامنے آ گئے۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے اخبار میں کیا۔ روزنامہ ہریجن نئی دہلی کی اشاعت میں گاندھی جی نے کہا:-

”عملی زندگی میں ہم دونوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو جدا گانہ قوتوں میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔ ہم دو مختلف قوتیں نہیں ہیں۔ ہر مسلمان اگر اپنے خاندان کی تاریخ میں دور تک پیچھے جائے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کے خاندان کا اصلی نام ہندو ہے۔ ہر مسلمان دراصل ہندو ہی ہے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ایسا کرنے سے کوئی جدا گانہ قومیت تو پیدا نہیں ہوتی۔“⁴⁰

اسی اخبار میں گاندھی جی نے کہا تھا:-

”میرا یقین تو یہ ہے کہ قرآن اور گیتا کا خدا‘ دونوں ایک ہیں اور ہم سب‘ خواہ ہمارے نام کچھ ہی کیوں نہ ہوں‘ ایک ہی خدا کے بچے ہیں۔ میں یقیناً اس خیال کے خلاف بغاوت کروں گا کہ کروڑوں ہندوستانی جو کل تک ہندو تھے‘ اپنا مذہب بدلنے کی وجہ سے اپنی قومیت بھی بدل سکتے ہیں۔“⁴¹



بندے ماترم پر مسلم لیگ کا پہلا احتجاج

آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بندے ماترم کے خلاف پہلا واضح احتجاج دسمبر 1908ء میں سامنے آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب بندے ماترم کو پورے ہندوستان میں پھیلانے کے لیے ار بند و گھوش اور دوسرے بنگالی لیڈرز زبردست کوششوں میں مصروف تھے۔

30 دسمبر 1908ء کو امرتسر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے دوسرے سیشن سے خطاب کرتے ہوئے سید علی امام نے اپنے خطبہٴ صدارت میں کہا:۔
 ”میں نہیں جانتا کہ آپ کیا سوچتے ہیں لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ صوبے نے ’بندے ماترم‘ کے فرقہ وارانہ نعرے کو قومی نعرے کی حیثیت سے آگے لانا شروع کیا ہے، میرا دل دکھ اور مایوسی سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہ شبہ کہ ہندوستان میں نیشنل ازم کے لبادے میں ہندو نیشنل ازم کا پرچار کیا جا رہا ہے یقین میں بدل جاتا ہے۔“

سید علی امام نے ایک صحیح قومی دھارا قائم کرنے کے لیے ملک میں تمام طبقوں کی مختلف کانفرنسیں اور دوسرے اجتماعات منعقد کرنے کی حمایت کی تاکہ ہر قسم کے ابہام ختم ہو جائیں۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر نے بندے ماترم کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کی واضح لفظوں میں عکاسی کرتے ہوئے کہا:۔

”میں ہندوستانی نیشنل ازم کے بانیوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ توقع کرتے ہیں

کہ مسلمان 'بندے ماترم' (گانا) اور شیواجی کی تفریبات (منعقد کرنا) قبول کر لیں گے؟ مسلمان کسی بھی شعبے میں کمزور ہو سکتے ہیں لیکن..... (اس موقع پر شرکاء نے جذباتی نعرے لگائے اور صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ان سے خاموش رہنے اور صبر و تحمل کی اپیل کرتے ہوئے کہا) لیکن وہ اپنے عظیم ماضی کی روایات پر فخر کرنے میں کمزور نہیں ہیں۔

میں کانگریس کے رہنماؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ملک کے سامنے سیاسی ترقی کا ایک ایسا پروگرام پیش کریں جو ہندوؤں یا مسلمانوں، پارسیوں یا عیسائیوں کے جذبات کی قربانی نہ مانگتا ہو۔



قائد اعظم، مسلم لیگ اور ”بندے ماترم“

محمد علی جناح کی ہندوستان کی سیاست میں آمد کا مقصد ہندوستانی قوم کے حقوق کا تحفظ اور ان کی خدمت کرنا تھا۔ مسلمان ہونے کے باوجود مذہب کی بنیاد پر سیاست یا الگ وطن قائم کرنے کی ضرورت ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ وہ ایک قوم پرست سیاسی شخصیت کی حیثیت سے اس میدان میں اُترے۔ اس وقت مسلم لیگ کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا لیکن سیاست میں نمایاں حیثیت کانگریس کو حاصل تھی جسے درپردہ اور بعض معاملات میں انگریز حکومت کی اشیر باد بھی حاصل تھی۔ اس وقت کوئی بھی ہندوستانی دونوں سیاسی جماعتوں کا ممبر بن سکتا تھا 1913ء میں محمد علی جناح دونوں جماعتوں کے رکن بن گئے اور انہیں ایک دوسرے کے نزدیک لانے کی کوششیں کرتے رہے تاکہ انگریز حکمرانوں کے مقابلے میں متفقہ لائحہ عمل اور مشترکہ جدوجہد کی راہ اپنائی جائے۔ ان کی دیانت دارانہ کوششوں کے نتیجے میں انہیں ”ہندو مسلم اتحاد کا سفیر“ قرار دیا گیا۔

محمد علی جناح مذاکرات اور مفاہمت کے قائل تھے لیکن اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ناجائز سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوششوں کو پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسٹر گاندھی نے تحریک خلافت کے ذریعے اپنا سیاسی قد بر صغیر کے مسلمانوں کی نظروں میں اونچا کرنے کے لیے نقصان دہ قائدانہ پالیسی اختیار کی تو محمد علی جناح نے اس سے کھلم کھلا اختلاف کیا اور وقت نے ان کی رائے صحیح ثابت کر دی۔

گاندھی ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہندوستان واپس آئے تھے پہلے ایک ناکام طالب علم اور وکیل کی حیثیت سے آگے آنے میں کامیاب نہ ہونے پر وہ ملازمت کے لیے

جنوبی افریقہ چلے گئے تھے جہاں انہوں نے ہندو مزدوروں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی۔ نیگرو محنت کش ان کی محبت اور شفقت سے محروم رہے کیونکہ موہن داس کرم چند بنیادی طور پر کٹر ہندو تھا۔ وہاں شہرت ملی تو انہوں نے واپس وطن آ کر وہی تجربات آزمانے کی سوچی پہلے تو انہیں صرف کھانے کی دعوتیں ملیں لیکن گنگا دھرتلک کی موت کے ساتھ ہی کانگریس میں موجود انتہا پسند ہندو عناصر کی قیادت ان کے ہاتھ میں آ گئی اور وہ ”باپو“ بن گئے۔

1920ء میں محمد علی جناح نے انہیں اور کانگریس کی قیادت کو پرکھ لیا اور مکمل علیحدگی اختیار کر لی۔ علامہ اقبال اور دوسرے رہنماؤں کی کوششوں سے محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ کمزور تنظیم ہونے کے باوجود انہوں نے 1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدوار میدان میں اتارے۔ کانگریس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی اقتدار کا نشہ اور ہندو راج کا بھوت کانگریس کی قیادت کے ذہنوں پر مسلط ہو گیا۔

محمد علی جناح نے مفاہمت اور انگریز حکومت کے خلاف مشترکہ جدوجہد کی بات کی تو پنڈت جواہر لال نہرو اینڈ کمپنی نے گاندھی کے مشورے سے مسلم لیگ کو تحلیل کرنے اور صرف آل انڈیا کانگریس کو نمائندہ تنظیم تسلیم کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ اس دوران کانگریسی صوبائی حکومتوں نے تمام تعلیمی اداروں میں کانگریس کا پرچم لہرانا اسے سلامی دینا گاندھی کی مورتی کی پوجا کرنا اور بندے ماترم گانا لازمی قرار دے دیا۔ چند صوبوں میں کانگریس نے اپنی مسلح گارڈز اور سرکاری عہدے دار بنادیے جو انتظامیہ کو کنٹرول کرنے لگے۔

کانگریس پالیسی کے خلاف قائد اعظم محمد علی جناح کا پہلا زبردست ردِ عمل 1937ء میں سامنے آیا جب انہوں نے 18 اکتوبر کو لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:-

”کانگریس کی موجودہ قیادت‘ پچھلے دس سال سے خاص طور پر مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ غیر دوستانہ بنانے کی ذمہ دار ہے۔ وہ ایک ایسی پالیسی پر عمل کر رہی ہے جو صرف ہندووانہ ہے۔ جب سے انہوں (کانگریس والوں) نے چھ صوبوں میں حکومتیں بنائی ہیں، اپنے قول و فعل اور پروگرام سے دکھا دیا ہے کہ مسلمانوں کو ان سے عدل اور رواداری کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔

وہ ہندی کو پورے ہندوستان کی قومی زبان قرار دینا چاہتے ہیں اور بندے ماترم کو قومی گیت اور وہ ایسا طاقت کے بل بوتے پر کرانا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمام مقامات پر کانگریس کا جھنڈا لہرانا اور اسے سلامی دینا ضروری ہے۔ انہوں نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے۔“

جب صورت حال تلخی پذیر ہوتی گئی تو قائد اعظم اور پنڈت جواہر لال نہرو کے مابین دونوں سیاسی جماعتوں کے ذریعے مفاہمانہ فضا پیدا کرنے کے لیے بات چیت تجویز کی گئی۔ اس بات چیت کے لیے 1938ء میں ہوئی، قائد اعظم نے تین نکاتی ایجنڈا اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا تا کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔

تین نکاتی ایجنڈا درج ذیل تھا۔

اول مسلمانوں کے ساتھ ”عوامی رابطہ“ مہم ختم کی جائے۔

دوم بندے ماترم لازمی طور پر ختم کیا جائے۔

سوم ترنگا پرچم لہرانا بند کر دیا جائے۔

25 اکتوبر 1937ء کو پٹنہ کے شہریوں کی طرف سے قائد اعظم کے اعزاز میں

ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے خطاب میں کہا:-

”کانگریس نے سات صوبوں میں اقتدار سنبھالا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ

انہوں نے بندے ماترم کو قومی ترانے کی حیثیت سے گا کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ہندی بطور قومی زبان ان پر ٹھونسی جا رہی ہے۔“

”گیا“ میں مسلمانوں کی ایک استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے یکم جنوری 1938ء کو قائد اعظمؒ نے کہا کہ ”ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ ہمارا قدیمی فلسفہ حیات ہمارا دین ہماری زبان الگ الگ ہیں۔ ہندو پانی اور مسلم پانی کی آوازیں ریلوے سٹیشنوں پر سنائی دیتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کا پانی نہیں پیتے۔“

مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود بندے ماترم کو ایک قومی گیت بنا دیا گیا ہے۔ اگر گورنر کانگریس کو نہ روکیں تو وہ اس قسم کی اپنی کئی مرضیاں مسلط کر سکتی ہے۔

بہت سے ہندو ہماری بات سے اتفاق کرتے ہیں لیکن ان کی بات سنی نہیں جاتی۔ کانگریس کی ہائی کمان اس وقت بد مستی کے عالم میں ہے اور اپنے آپ کو وقت کا بادشاہ سمجھتی ہے۔“⁴²

6- جنوری 1938ء کو مومن انصار جماعت کی کولکتہ میں استقبالیہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”کانگریس کی اپنی الگ سیاسی ڈکشنری ہے جس میں نیشنل ازم کا مطلب ہے ہندو ازم، سوراج کا مطلب ہے ہندو راج اور آئین کی دھجیاں اڑانے کا مطلب ہے آئین پر عمل درآمد۔ اسی طرح کانگریس کی ڈکشنری میں ”آزادی“ کا مطلب ہے ہندوؤں کی آزادی اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں اور کمزور لوگوں کی غلامی۔“⁴³

دہلی میں صوبائی مسلم لیگ کی استقبالیہ تقریب میں 30 جنوری 1938ء کو قائد اعظمؒ نے فرمایا:-

”اب ہم ”صوبائی خود مختاری“ کی اصل کارکردگی دیکھ کر اس بات کے قائل

ہو گئے ہیں کہ ہماری گردنیں جو اس وقت کانگریس کی گرفت میں ہیں محفوظ نہیں ہیں۔
 صوبائی اسمبلیوں میں بندے ماترم گایا جا رہا ہے جو بت پرستی کا شاہکار ہے اور
 مجموعی طور پر مسلمانوں کے خلاف جنگ کا نعرہ ہے۔“⁴⁴
 3 فروری 1938ء کو سٹوڈنٹس یونین اینگلو عربک کالج، دہلی کے اجلاس سے
 خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا:-

”جب پہلے دن اسمبلیوں کے اجلاس میں شریک ہوئے تو کسی پارٹی سے مشورہ
 کیے بغیر انہوں نے بندے ماترم گانا شروع کر دیا کیونکہ وہ اقتدار کے نشے میں دھت ہیں۔
 اگر ایسا بھی فرض کر لیا جائے کہ بندے ماترم ایک استثنائی گیت ہے تب بھی یہ بات تسلیم
 شدہ ہے کہ یہ گیت ہندو ثقافت اور ہندو فلسفہ کی پیداوار ہے۔

سوچئے کہ اگر مسلمان اور پارسی اپنے اپنے نعرے بلند کرتے ہوئے اسمبلیوں
 کے اندر داخل ہوتے تب کیا ہوتا؟ ”اللہ اکبر“ میں کچھ غلط نہیں ہے۔ اگر مرکزی اسمبلی کے
 130 ارکان میری قیادت میں ”اللہ اکبر“ کے نعرے لگاتے ہوئے ایوان میں داخل ہوتے
 تو کیا یہ توقع کرنا جائز ہوتی کہ باقی لوگ بھی یہی نعرے لگاتے؟“⁴⁵

سوال یہ ہے کہ میں جارحانہ انداز میں اسمبلی میں کیوں جاؤں؟ آپ کو کسی
 مسلمان سے بندے ماترم کی عزت کی توقع نہیں کرنی چاہئے۔ یہ تسلیم شدہ بت پرستی ہے۔
 اگر آپ تاریخی پس منظر میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ گیت تو مسلمانوں کے خلاف نفرت
 سے بھرا ہوا ہے۔

مسلمانوں کو ہندو کلچر اپنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہ (کانگریس والے)
 فیصلہ کرتے ہیں کہ تمام ہندوؤں کی ایک مشترکہ زبان ہونی چاہیے تو میری بھی خواہش
 ہے کہ تمام مسلمان اردو پڑھیں۔ زبان کے ذریعے نظریات پھیلتے ہیں۔“⁴⁶

5- فروری 1938ء کو مسلم سٹوڈنٹس یونین علی گڑھ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے کہا کہ ”غربت اور بھوک کا مسئلہ حل کرنے کے بجائے ہندو اسمبلیوں کے ایوانوں میں ہم پر بندے ماترم مسلط کرنا چاہتے ہیں اور ہم سے توقع کرتے ہیں کہ اسے سلام کریں۔ وہ مسلمانوں پر ہندی مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کانگریس کا نیشنل ازم براہ راست ہندو ازم ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایک مستقل سیاسی اکثریت پر دوبارہ اعتماد کا اظہار کریں جس کا مذہب اور ثقافت ہمارے مذہب اور ثقافت سے مختلف ہے۔

17-18 اپریل 1938ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خصوصی سیشن کولکتہ میں منعقد ہوا۔ قائد اعظمؒ نے صدارت کی۔ انہوں نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا:-
 ”مذہب، ثقافت اور زبان سے متعلق کانگریس کی قراردادیں جن کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے، محض کاغذی قراردادیں ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ کانگریس کی حکومتوں نے جو جارحانہ رویہ اختیار کیا تھا، اس میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔ انہوں نے اسمبلیوں میں بندے ماترم نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سے بے انتہائی پیدہ ہوئی۔ تب انہوں نے اس فیصلے کو ختم کیا۔ وہ ہندی کو لازمی زبان قرار دینے کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں جو اگر پوری طرح نہیں تو بہت حد تک اردو کے پھیلاؤ اور ترقی کو تباہ کر دے گی۔ اس وقت سب سے بڑی بات یہ ہو رہی ہے کہ ہندی اپنے ہندو سنسکرت ادب، فلسفے اور نظریات کے ساتھ مسلمان بچوں اور دوسرے طالب علموں پر ٹھونس دی جائے گی۔“⁴⁷

8 مئی 1938ء کو ماہم (ممبئی) میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا:-

”کانگریس کی حالت ایسے غریب آدمی جیسی ہے جسے اچانک لاٹری میں بہت

بڑی رقم مل جائے۔ وہ طاقت کے نشے میں دھت ہے۔ کئی صوبوں میں اکثریت ملنے کے باعث کانگریس والے مسلمانوں پر بندے ماترم گانے جیسی چیزیں ٹھونس رہے ہیں۔

اپنی تقریر میں قائد اعظمؒ نے کانگریس کے ان رہنماؤں کی نکتہ چینی کا حوالہ اور جواب بھی دیا جو انہیں ”چرکا“ لینے والا اور فرقہ واریت پھیلانے والا شخص قرار دے رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا:-

”اگر آج میں ان کی پارٹی (کانگریس) میں شامل ہو جاؤں تو وہ نہ صرف مجھے انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کر لیں گے بلکہ کوئی چون و چرا بھی نہیں کرے گا۔“

قائد اعظمؒ نے میمن مرچنٹس ایسوسی ایشن ممبئی اور میمن چیمبر آف کانگریس کی تقریب سے 5 جولائی 1938ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا:-

”کانگریس اپنے آپ کو قومی پارٹی بنانے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن میونسپل اور سرکاری سکولوں میں ہندی کو لازمی زبان قرار دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس پالیسی کے پیچھے ضرور کوئی مذموم عزائم ہیں تاکہ (مسلمان) معصوم بچوں اور بچیوں کو ہندو ثقافت سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ اسی لیے بندے ماترم گانا لازمی قرار دیا جا رہا ہے۔“

18 اکتوبر کو سندھ مسلم لیگ کانفرنس میں اپنے صدارتی خطاب میں قائد اعظمؒ نے مزید کھل کر بات کی۔ انہوں نے فرمایا:-

”انہوں (کانگریس والوں) نے اسمبلیوں کا آغاز بندے ماترم سے شروع کر دیا جو نہ صرف بت پرستی سے لبریز ہے بلکہ اپنی حقیقت اور الفاظ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے والا گیت ہے۔ انہوں نے کوشش کی اور ابھی تک کر رہے ہیں کہ تقریبات میں اور سکول حکام کو بندے ماترم گانے پر مجبور کیا جائے۔ حالانکہ تسلیم شدہ بات ہے کہ بندے ماترم کوئی قومی گیت نہیں ہے۔ انہوں نے اس فرق کو ملحوظ کیے بغیر کہ ترنگا قومی پرچم نہیں ہے

جارحانہ انداز میں سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر لہرا دیا۔ وہ صوبوں کے تعلیمی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لانے پر مجبور کر رہے ہیں اور اس محکمے کو ”واردھا سکیم“ کے تحت چلانا چاہتے ہیں جس کا نام وِدیامنڈر ہے۔ ہندوستانی کے نام سے ہندی کو لازمی قرار دے دیا گیا ہے اور اسے سنسکرت کا جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ اُردو کو ختم کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جا رہی جو ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد کی زبان ہے۔ یوں اُن (مسلمانوں) کی ثقافت اور یک جہتی کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں۔“

اگلے روز 11 اکتوبر 1938ء کو مسلم لیگ کانفرنس کراچی کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے کہا:-

”کانگریس‘ سات صوبوں میں (حکومت بنا کے) مسلمانوں پر بالادستی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ ہندو راج‘ ثقافت اور فلسفہ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک زندہ ہوں‘ کانگریس کو ایسا کرنے نہیں دوں گا۔“

26 دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ قائد اعظمؒ نے اجلاس کی صدارت کی۔ انہوں نے اپنے فی البدیہہ خطاب میں فرمایا:-

”ایک بات کسی شک و شبہ کے بغیر واضح ہوئی ہے کہ کانگریس چاہتی ہے مسلمان اس کے زیر سایہ آجائیں اس کی قیادت کے تلوے چائیں اس کے اشاروں پر چلیں جب مطلب پورا ہو جائے تو انہیں مسل دیا جائے۔ کانگریسی رہنما چاہتے ہیں کہ وہ (مسلمان) غیر مشروط طور پر ہندو راج کے سامنے سر جھکا دیں۔ اب ان کا کھیل پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔

ہمارے ملک کی بد قسمتی بلکہ المیہ ہے کہ کانگریس کی ہائی کمان نے اس ملک میں دوسرے مذاہب اور ثقافتوں کو ختم کرنے اور ہندو راج قائم کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ وہ ”سوراج“ کی بات کرتے ہیں لیکن ان کا مطلب ہوتا ہے صرف ہندو راج‘ وہ قومی حکومت

کی بات کرتے ہیں لیکن مطلب صرف ہندو راج ہوتا ہے لیکن اب غبارے کی ہوا وقت سے بہت پہلے نکل گئی ہے۔ چھ یا سات صوبوں میں اکثریت کے باعث وہ اقتدار کی طاقت سے بدمست ہو گئے ہیں۔

کانگریس کا کھیل وقت سے پہلے سامنے آ گیا ہے۔ اگر واقعی میں کانگریس کو اقتدار مل جائے تو وہ کیا کرے گی؟ اس نے اپنے نیشنل ازم کی شروعات بندے ماترم سے کیں۔ بندے ماترم قومی گیت نہیں ہے، اس کے باوجود اُسے گایا جا رہا ہے اور دوسروں پر ٹھونسا جا رہا ہے۔ یہ نہ صرف ان کے اجتماعات میں گایا جاتا ہے بلکہ گورنمنٹ اور میونسپل سکولوں میں مسلمان بچوں کو بھی گانے پر مجبور کیا جا رہا ہے تاکہ وہ اسے اپنے قومی گیت کے طور پر تسلیم کریں، چاہے ان کے مذہبی عقائد انہیں ایسا کرنے کی اجازت دیں یا نہ دیں۔ یہ گیت بت پرستی پر مبنی اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے والا گیت ہے۔ کانگریس کا جھنڈا ہندوستان کا قومی جھنڈا نہیں، پھر بھی ان کا اصرار ہے کہ ہر سرکاری اور نجی عمارت پر اسے لہرایا جائے۔ اگر مسلمان اعتراض کرتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ کانگریس کا جھنڈا ہندوستان کے قومی پرچم کے طور پر لہرایا جائے اور اس فیصلے کو مسلمانوں پر نافذ کیا جائے۔“

4 جولائی 1939ء کو ممبئی میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے واردھا سکیم کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی۔ اس موقع پر قائد اعظم نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا:-

”ورکنگ کمیٹی نے واردھا سکیم کو نا منظور کر دیا ہے۔ اُسے اس سکیم کے اصل نظریہ اور طبقاتی پہلو کے علاوہ مزید بنیادی اعتراضات ہیں۔ یہ سکیم مسلمانوں کی ثقافت کو بتدریج تباہ کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کی کتابیں قطعی طور پر قابل قبول نہیں ہیں۔ اس کا مقصد ہندو کلچر کی بالادستی ہے اور یہ مسلمان کلچر اور زبان کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ کانگریس کی

آئیڈیالوجی مسلط کرتی ہے۔ اس کا مقصد صرف ایک جماعت، کانگریس کی سیاسی پالیسی اور پروگرام کو بچوں کے ذہن میں ڈالنا ہے۔ ”ہندوستانی“ نام کی آڑ میں سنسکرت زدہ ہندی پھیلانے اور اردو کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔“

12 اگست 1939ء کو اسلامیہ کالج سٹوڈنٹس یونین، اندھری (ممبئی) کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا: ”مسلمان اور ہندو عقیدے، تعلیم، کلچر اور فلسفے کے اعتبار سے دو مختلف نسلیں یا قومیں ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ جو بھی زیادہ طاقتور ہوگا دوسرے کے کلچر کو متاثر اور ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں کانگریس والوں سے کہتا ہوں ہم پر اعتماد اور ہمارے وقار کا احترام کرو، ہمیں تمہارا تحفظ نہیں چاہیے ہم اپنی حفاظت خود کر لیں گے۔ تمہارے خلاف ہمارے کوئی عزائم نہیں ہیں۔ ہم صرف اس ملک میں قومی حکومت میں صحیح حصہ چاہتے ہیں۔“

یکم اکتوبر 1939ء کو قائد اعظمؒ نے مسٹر گاندھی کے ایک بیان کے جواب میں ایک بیان جاری کیا جس میں مسٹر گاندھی نے برطانیہ کے ایک دوست کی حیثیت سے برطانوی سیاستدانوں سے اپیل کی تھی۔ قائد اعظمؒ نے کہا:-

”میں انتہائی افسوس سے کہتا ہوں کہ مسٹر گاندھی نے جو کانگریس کے مطلق ترجمان اور آمر ہیں ایسی زبان استعمال کی ہے جس سے ایک بار پھر ایسا تاثر پیدا ہوا ہے کہ کانگریس ابھی تک حقائق کا سامنا کرنے سے کترانے اور خود کو ہندوستان کی واحد نمائندہ سمجھنے کے خط میں مبتلا ہے۔

دوسرے یہ ہندوستان میں جمہوریت کی بات کر رہی ہے اور برطانوی جمہوری نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے جبکہ گزشتہ ڈھائی سال میں اس نے خود کو نہ صرف فسطائی اور آمرانہ تنظیم قرار دیا بلکہ اس اصول کو اپنا بھی رکھا ہے۔

تیسرے یہ پورے ہندوستان میں ہندومت کے احیا اور برصغیر میں ہندوازم کی بالادستی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ جب تک کانگریس ہائی کمان کی ان بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا، ان سے ہندوستان کی ترقی کے لیے کچھ نہیں ہوگا جس کے ہم سب تہہ دل سے متمنی ہیں۔“

25 اکتوبر 1939ء کو نئی دہلی میں مانچسٹر گارڈین کو انٹرویو دیتے ہوئے قائد اعظمؒ

نے فرمایا:-

”جب تک کانگریس والے عرش سے فرش پر نہیں آجاتے اور حقائق کا سامنا نہیں کرتے، وہ ہندوستان کی ترقی روکنے کے پورے ذمہ دار ہوں گے۔ خاص طور پر کانگریس ہائی کمان نے ایسی پالیسیاں چلائی ہیں جن سے صاف نظر آتا ہے کہ کانگریس کا اصل مقصد دوسری تمام تنظیموں کو نیچا دکھانا اور خود کو فسطائیت کی بدترین صورت میں مسلط کرنا ہے۔

میری رائے میں کانگریس کے مطابق جمہوریت کا مطلب پورے ہندوستان پر ہندو راج ہوگا اور یہ صورت حال مسلمان کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ان کے علاوہ چھ کروڑ اچھوت اور دوسری اقلیتیں عیسائی، یہودی، پارسی اور برطانوی پیدائش رکھنے والے لوگ ہیں۔“

مسٹر گاندھی کے جریڈے ”ہریجن“ میں ان کا ایک مضمون ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی۔ انہوں نے یہ لکھا کہ کانگریس نے ہندو کو ہندو کی صورت میں پیش کیا۔ اس کا جواب قائد اعظمؒ محمد علی جناح نے 4 نومبر 1939ء کو دیا۔ قائد اعظمؒ نے ان نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:-

”مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی، تب وہ حقیقت میں کن لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے؟ مسٹر گاندھی نے مزید کہا ہے کہ کانگریس نے ہندو کو ہندو کی صورت میں پیش کیا۔ یہ دعویٰ تو ہندو مہاسبھا کرتی ہے۔ میں نے کئی بار کھلے الفاظ میں کہا ہے اور ثابت ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے۔ یہ ایک ہی سکے کا

دوسرا رخ ہے جس کا پہلا رخ ہندو مہاسجھا ہے۔ ان میں سے ایک جو کہتا ہے دوسرا اس پر عمل کرتا ہے۔“⁴⁸

7 نومبر 1939ء کو ممبئی میں ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے

فرمایا:-

”میرے ذہن میں ہندوؤں کے خلاف کوئی بات نہیں ہے لیکن جب تک کانگریس ہائی کمان فسطائی حکمرانوں کی طرح رہے گی سمجھوتہ ہونے کی اُمید معمولی سی ہو سکتی ہے۔“

کیا یہ جمہوریت ہوگی کہ ایک وسیع فسطائی حکمران کونسل واردہا میں بیٹھ کر صوبائی وزیروں کو احکامات جاری کرے جو قانون سازی کے ذمہ دار ہیں۔ اس فسطائی کونسل کا مکمل اور حرف آخر امر اس جمہوری تنظیم کا چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہے۔“ (آمر سے مراد مسٹر گاندھی اور جمہوری تنظیم کانگریس ہے)

دستور ساز اسمبلی کے بارے میں مسٹر گاندھی کے ایک بیان کا جواب دیتے ہوئے قائد اعظمؒ نے کہا:-

”مسٹر گاندھی نے ایک امریکی اخبار نویس کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ صرف ایک پارٹی سب کچھ کر سکتی ہے اور وہ پارٹی کانگریس ہے۔“

انہیں بتایا گیا کہ وہاں مسلم لیگ بھی ہے تو مسٹر گاندھی نے کہا کہ میں کانگریس کے سوا کسی پارٹی کو تسلیم نہیں کروں گا۔ اس پر انہیں بتایا گیا کہ اگر ہندوستان میں صرف ایک پارٹی کی حکومت ہوئی تو وہ جمہوری نہیں فسطائی ہوگی تب مسٹر گاندھی نے جواب دیا کہ مجھے اس سے غرض نہیں آپ اسے کوئی بھی نام دے دیں ہندوستان میں صرف ایک پارٹی ہو سکتی ہے اور وہ کانگریس ہے۔“⁴⁹

قائد اعظمؒ نے کہا:۔

”میری خواہش ہے کہ مسٹر گاندھی آئے دن اپنی رائے بدلنے کی عادت ترک کر دیں اور اپنی توجہ صرف ایک سوال پر مرکوز کریں جو ہندو اور مسلمانوں سے متعلق ہے۔ وہ ہندوؤں کے نمائندے بن کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میں مسلمانوں کی طرف سے ایک باعزت حل تلاش کرنے میں مدد کی مکمل یقین دہانی کراتا ہوں۔“

قائد اعظمؒ کی اس خواہش اور یقین دہانی کو مذاکرات کے نئے سلسلے شروع کر کے ناکام بنانے کے نت نئے حربے استعمال کیے گئے۔ مسٹر گاندھی اپنی ڈرامائی تکنیک کو استعمال کرتے رہے جس میں وہ کبھی کانگریس کے ترجمان بن جاتے اور کبھی کہتے کہ میں تو چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہوں۔ بہر حال بندے ماترم کو اپنی انا، ضد، دھرم کرم یا لائحہ عمل کی بنیاد مان کر کانگریس، مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنانے کے لیے متحدہ ہندوستان کا رڈ استعمال کرنے کو شش کرتی رہی۔ اسی وجہ سے محمد علی جناحؒ اور برصغیر کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں بہر حال اپنے لیے الگ وطن حاصل کرنا ہوگا۔ انگریزی رسالے ”ٹائم اینڈ ٹائیڈ“ کے شمارہ جنوری 1940ء میں قائد اعظمؒ نے کہا: ”برطانیہ والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہندو ازم اور اسلام دو مختلف ایک دوسرے سے الگ تہذیبوں کے مظہر ہیں۔“

☆☆☆

بندے ماترم الفاظ اور معانی کا تجزیہ

بھارتی قومی ترانہ اور بندے ماترم

ہندوستان کے قومی ترانے کا جنم بھی ایک بنگالی شاعر راہندر ناتھ ٹیگور کے ذہن میں ہوا۔ یہ دراصل ایک خیر مقدمی گیت تھا جو آل انڈیا کانگریس کی قیادت جارج پنجم کی خدمت میں اظہارِ تشکر کے طور پر پیش کرنا چاہتی تھی جس نے تقسیم بنگال کی تینخ کے حکم نامہ پر دستخط کئے تھے۔

دی انڈین ایکسپریس نے 3 جولائی 1968ء کی اشاعت میں لکھا ہے:-
 ”نیشنل کانگریس کے لوگوں نے ٹیگور سے استقبالیہ نظم لکھنے کے لیے کہا، اُس نے کوشش کی مگر نہیں لکھ سکا۔ وہ ایک دن صبح سویرے اُٹھا ایک بہت خوبصورت نظم لکھی اور اپنے شاگردوں میں سے ایک کو کہا ”یہ نظم میں نے لکھ دی ہے اس میں بھگوان کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن تم یہ نظم کانگریس کے لوگوں کو دے دو وہ اس سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ نظم جارج پنجم کے لیے لکھی گئی ہے۔“

آل انڈیا کانگریس کا یہ سالانہ اجلاس 1911ء میں 26 دسمبر سے 28 دسمبر تک کوئٹہ میں ہوا۔ یہ سلور جوبلی اجلاس تھا۔ پہلا دن کانگریس کے رہنماؤں اور کارکنوں کے لیے مخصوص تھا۔ دوسرے دن کی تمام کارروائی کو شہنشاہ معظم کا شکریہ ادا کرنے اور انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے رکھا گیا۔ تیسرے دن پہلے دو دن کی کارروائی کے بارے میں غور و خوض اور اہم فیصلے کرنا تھے۔

وائسرائے لارڈ کرزن نے انتظامی ضرورت کے تحت بنگال کو دو انتظامی یونٹوں میں تقسیم کر دیا تھا جس سے ہندو ناخوش ہوئے تھے۔ پُر تشدد واقعات اور درپردہ کانگریس اور

برطانوی حکومت کے مابین بات چیت طے پانے کے بعد جارج پنجم نے 6 سال بعد 12 دسمبر 1911ء کا فیصلہ منسوخ کر دیا تھا اور صرف دو ہفتے بعد آل انڈیا کانگریس کے سالانہ اجلاس میں وہ خاص مہمان کے طور پر ہندوستان آ رہے تھے۔ کانگریسی رہنما بہت خوش تھے۔ ان کے لیے جارج پنجم کسی بھگوان یا اوتار سے کم نہیں تھے۔ اسی لیے خاص طور پر ٹیگور سے کہا گیا کہ وہ بہت خوبصورت تعریفی نظم لکھے اور ٹیگور نے بھی لکھنے سے انکار نہیں کیا۔

26 دسمبر کو پہلا اجلاس شروع ہوا جس کا آغاز بندے ماترم سے کیا گیا۔ اس دن تنظیمی امور، ملکی صورت حال پر غور و خوض کے علاوہ اگلے دن کے اجلاس کے انتظامات پر غور ہوا اور بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک قرارداد کا مسودہ بھی تیار کر لیا گیا۔

27 دسمبر کی تمام کارروائی جارج پنجم کی شخصیت اور کارناموں ان کے لیے اظہار تشکر اور اطاعت و اعانت کے لیے مخصوص تھی۔ چنانچہ اسی روز ”جانا گانا مانا“ گایا گیا جس میں اُسے بھارت کے مقدر کا سنوارنے والا قرار دیا گیا تھا۔ اسی روز خیر مقدمی قرارداد بھی متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔ تقریب کا اختتام راج بھوج دت کے گیت ”ہمارا بادشاہ“ سے ہوا۔ 28 دسمبر کو تیسرے دن کے اجلاس میں کارروائی پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ اس روز اجلاس میں سر لاد یوی نے اپنا معروف گیت ”نامو ہندوستان“ سنایا۔

دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ ٹیگور کے شاگردوں کے بقول صرف وہ جانتے تھے کہ گیت میں بھگوان کو مخاطب کیا گیا تھا۔ دوسرے لوگ اس بات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ تاہم رابندر ناتھ ٹیگور نے ایسی وضاحت کسی موقع پر نہیں کی۔ اس تین روزہ سیشن کے موقع پر اجلاس کی کارروائی کا تذکرہ کرتے ہوئے 28 دسمبر 1911ء کی اشاعت میں سٹیٹسمین نے لکھا:۔

”بنگالی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے ایک گیت گایا جو اس نے خاص طور پر شہنشاہ کے لیے لکھا تھا۔“

اسی طرح 27 دسمبر کو اجلاس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے 28 دسمبر 1911ء کی اشاعت میں ”انگلش مین“ نے لکھا:-

”آغاز بابور ابندر ناتھ ٹیگور کے ایک گیت سے ہوا جو اس نے شہنشاہ کے اعزاز میں خاص طور پر لکھا تھا۔“

اسی طرح ”انڈین“ کی اشاعت بتاریخ 29 دسمبر 1911ء میں رپورٹ ہوا:-
 ”جب بدھ 27 دسمبر 1911ء کو انڈین نیشنل کانگریس کی کارروائی کا آغاز ہوا تو شہنشاہ کے خیر مقدم کے لئے ایک بنگالی گیت گایا گیا اور بادشاہ کے لئے خیر مقدمی قرارداد بھی اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی۔“

رابندر ناتھ ٹیگور نے ان اخباری اطلاعات کی تردید نہیں کی کہ یہ گیت جارج پنجم کے اعزاز میں بنایا گیا تھا۔

”جانا گانا مانا“ پیش کرنے کا فوری فائدہ اس طرح ہوا کہ وہ برطانوی حکومت جو بندے ماترم گانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، جاننا گانا مانا کو احترام دینے لگی۔ یہ تمام سرکاری سکولوں میں گایا جاتا تھا اور سکاؤٹ گروپ کے ارکان، تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کے اظہار کے لیے گاتے تھے۔

1947ء میں جب برطانیہ کا اقتدار برصغیر میں ختم ہوا تو برطانوی حکومت نے ایک لڑاکا طیارہ ہندوستان کو پیش کیا۔ اس موقع پر جاننا گانا مانا گایا گیا اور برطانوی حکام نے بھی اس کی تعریف کی۔ اگرچہ رابندر ناتھ ٹیگور نے بندے ماترم کی دھن بنائی تھی جو اسے مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی اور ٹیگور نے اسے جادوئی الفاظ سے تعبیر کیا تھا لیکن اس نے جاننا گانا مانا کے قومی ترانہ بنائے جانے پر اعتراض کیا نہ اس کے بولوں میں تبدیلی کی۔ اس کی تال لے اور سُر اسے قومی ترانہ بنانے کا باعث بنے۔⁵⁰

جنا گنا منا ہندوستان کا قومی ترانہ اُردو ترجمہ

تم سب لوگوں کے ذہنوں کے مالک اور حکمران ہو
 بھارت کے مقدر کے بھگوان اور چارہ گر ہو
 تمہارا نام لینے سے پنجاب، سندھ، گجرات، مراٹھا، دراوڑ، اڑیسہ اور بنگال کے دل
 جاگ اُٹھتے ہیں
 اس کی بازگشت بندھیا اور ہمالیہ کی پہاڑیوں میں سنائی دیتی ہے
 یہ جمنا اور گنگا کے بہتے پانیوں کی موسیقی میں رچ جاتا ہے
 بحر ہند کی لہریں اسے گنگناتی ہیں
 وہ سب تجھ سے
 تیری کرپا کے لیے بنتی کرتے ہیں
 تیرے ہی گیت گاتے ہیں
 سب لوگوں کو تم ہی مصائب و آلام سے بچا سکتے ہو
 تم ہی تو بھارت کے مقدر کے چارہ گر ہو
 جے ہو، جے ہو، تمہاری جے ہو۔

یہ وہی گیت ہے جسے رابندر ناتھ ٹیگور نے جارج پنجم کے سامنے اظہارِ تشکر کے
 طور پر پیش کیا تھا کیونکہ سات دن پہلے ہی تقسیمِ بنگال کا حکم بادشاہِ برطانیہ کی مہر سے منسوخ
 ہو گیا تھا۔ بھارتی قومی ترانہ منتخب کرنے کے لیے اس گیت کے علاوہ بندے ماترم اور
 ”سارے جہاں سے اچھا، ہندوستان ہمارا“ کو بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا۔ (مصنف)

بندے ماترم

In Devanagari script

वन्दे मातरम्
सुजलां सुफलां मलयजशीतलाम्
शैल्यश्यामलां मातरम् ।
शुभ्रज्योत्स्नाम् पुलकितयामिनीम्
फुल्लकुसुमित द्रुमदलशोभिनीम्
सुहासिनीं सुमधुरभाषिणीम्
सुखदां वरदां मातरम् ॥

सप्तकोटि कण्ठ कलकल निनाद कराते
द्विसप्त कोटि भुजैर्धृत खरकरवाले
के बोले मा तुमी अबले
बहुबल धारिणीम् नमामि तारिणीम्
रिपुदलधारिणीम् मातरम् ॥

तुमि विद्या तुमि धर्म, तुमि हृदि तुमि मर्म
त्ये हि प्राणाः शरीरे
बाहुते तुमि मा शक्ति,
हृदये तुमि मा भक्ति,
तोमारै प्रतिमा गडि मन्दिरे-मन्दिरे ॥

त्यं हि दुर्गा दशप्रहरणधारिणी
कमला कैमलदल विहारिणी
वाणी विधादायिनी, नमामि त्वाम्
नमामि कमलां अमलां अनुताम्
सुजलां सुफलां मातरम् ॥

श्यामलां सरलां सुस्मितां भूषिताम्
धरणीं भरणीं मातरम् ॥

In Bengali script

सूजलां सुफलां मलयजशीतलाम्
श्यामलां शैल्यश्यामलां मातरम् ॥
शुभ्रज्योत्स्नां पुलकितयामिनीम्
फुल्लकुसुमित द्रुमदलशोभिनीम्
सुहासिनीं सुमधुरभाषिणीम्
सुखदां वरदां मातरम् ॥

कोटि कोटि कंठ कलकलनिनाद कराते
कोटि कोटि भुजैर्धृतखरकरवाले
के बोल मा तुमि अबले
बहुबलधारिणीः नमामि तारिणीम्
रिपुदलधारिणीः मातरम् ॥

तुमि विद्या तुमि धर्म, तुमि हृदि तुमि मर्म
इति हि प्राणाः शरीरे
बाहुते तुमि मा शक्ति
हृदये तुमि मा भक्ति
तोमारै प्रतिमा गडि मन्दिरे-मन्दिरे ॥

इति हि दुर्गा दशप्रहरणधारिणी
कमला कमलदल विहारिणी
वाणी विधादायिनी इति
नमामि कमलां अमलां अनुताम्
सूजलां सुफलां मातरम् ॥

श्यामलां सरलां सुस्मितां भूषिताम्
धरणीं भरणीं मातरम् ॥

بندے ماترم

Mother, I salute thee!
 Rich with thy hurrying streams,
 bright with orchard gleams,
 Cool with thy winds of delight,
 Green fields waving Mother of might,
 Mother free.

Glory of moonlight dreams,
 Over thy branches and lordly streams,
 Clad in thy blossoming trees,
 Mother, giver of ease
 Laughing low and sweet!
 Mother I kiss thy feet,
 Speaker sweet and low!
 Mother, to thee I bow.

Who hath said thou art weak in thy lands
 When swords flash out in seventy million hands
 And seventy million voices roar
 Thy dreadful name from shore to shore?
 With many strengths who art mighty and stored,
 To thee I call Mother and Lord!
 Thou who saves, arise and save!
 To her I cry who ever her foe drove
 Back from plain and sea
 And shook herself free.

Thou art wisdom, thou art law,
 Thou art heart, our soul, our breath
 Though art love divine, the awe
 In our hearts that conquers death.

Thine the strength that nerves the arm,
 Thine the beauty, thine the charm.
 Every image made divine
 In our temples is but thine.

Thou art Durga, Lady and Queen,
 With her hands that strike and her
 swords of sheen,
 Thou art Lakshmi lotus-throned,
 And the Muse a hundred-toned,
 Pure and perfect without peer,
 Mother lend thine ear,
 Rich with thy hurrying streams,
 Bright with thy orchard gleams,

In thy soul, with jewelled hair
 And thy glorious smile divine,
 Loveliest of all earthly lands,
 Showering wealth from well-stored hands!
 Mother, mother mine!
 Mother sweet, I bow to thee,
 Mother great and free!

translated by Sri Aurobindo

بندے ماترم — اُردو ترجمہ

ماں، میں تجھے سلام کرتا ہوں
 تیری تیز بہتی ہوئی ندیوں
 تیرے گھنے باغوں کی روشنی کی چمک
 بھینی بھینی خٹک ہواؤں کی ٹھنڈک کی لذت
 سیاہ لہلہاتے کھیت، اے شکتی دینے والی ماں،
 آزاد ماں،

چاندنی رات کے خوابوں کی انتہا
 تیری ندیوں اور شاخوں کے اوپر
 تیرے جھومتے درختوں میں چھپی ہوئی ماں
 سکھ اور آسانیاں دینے والی
 مدھر ہنسی اور میٹھی زبان والی
 ماں، میں تیرے قدموں کو چومتا ہوں
 میٹھی اور دھیمی آواز والی
 ماں، تجھے سلام

کون کہتا ہے کہ اپنی ہی سرزمین پر، تو کمزور ہے
 جب سات کروڑ ہاتھوں میں تلواریں چمکتی ہیں
 اور سات کروڑ آوازیں گونجتی ہیں لے کر

تیرا دل دہلا دینے والا نام، ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک
 ان تمام شکستیوں کے ساتھ جو طاقتور اور محفوظ ہیں
 تُو میری ماں ہے اور تُو میرا بھگوان!
 تُو جو بچانے والی، اُد پر اُٹھانے والی اور بچانے والی ہے
 میں اُسے پکارتا ہوں، اُس کے دشمن جو بھی کریں
 میدانوں سے لے کر سمندر تک
 میں اُسے آزاد کراتا ہوں
 تُو ہی میرا علم ہے تو ہی میرا دھرم ہے
 تُو ہمارا دل، ہماری آتما، ہماری سانس
 تُو ہی سدا رہنے والی محبت، تُو ہی ہمارے دلوں میں بسی ہمت جو موت کو فتح
 کر لیتی ہے
 تیری ہی شکستی ہے جو بازوؤں کو قوت دیتی ہے
 تیری ہی خوبصورتی ہے، تیری ہی دلکشی ہے
 ہمارے مندروں میں ہمیشہ سچی ہر صورت، ہر صورت تیری ہی ہے
 تُم دُرگا ہو، ماں اور ملکہ ہو،
 جس کے ہاتھ ضرب لگاتے ہیں اور جس کی تلوار خوبصورت اور آراستہ ہے
 تُم ہی کنول کے پھولوں کے تاج سے سچی لکشمی ہو جس سے سینکڑوں سُر نکلتے ہیں
 خالص اور پورے، جس کا کوئی مقابلہ نہیں،
 ماں، میری بات سُن!
 تیری تیز بہتی ہوئی ندیوں

تیرے گھنے باغوں کی روشنی کی چمک
شور کی اُداسی میں

اپنی آتما میں مدھر اور چمک دار

ہیروں سے آراستہ بال اور تیری امر مسکان

جو دنیا کی تمام زمینوں میں سب سے زیادہ پیاری ہے

خزانہ بھرے ہاتھوں سے دولت برسانے والی

ماں، میری ماں

پیاری ماں، تجھے میرا سلام،

عظیم اور آزاد ماں!

(ار بندو گھوش کے انگریزی ترجمے کا یہ اُردو ترجمہ مصنف نے کیا ہے۔ ار بندو

گھوش کے کیے ہوئے انگریزی ترجمے کو اب تک بہترین ترجمہ قرار دیا گیا ہے)



بندے ماترم۔ ہندوستانی پارلیمنٹ اور انتہا پسند ہندو ازم

اعتراض اور اصرار کا سلسلہ چلتا رہا، ہندو مسلم فسادات ہوتے رہے۔ 1947ء میں پاکستان قائم ہو گیا۔ تب بھی اس گیت بندے ماترم نے شیطانی رقص کیا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل کرتے وقت ست سری اکال کے ساتھ بندے ماترم کے نعرے بھی گونجے۔

14 اگست 1947ء رات گیارہ بجے شرمیتی سچیتا کرپلانی نے بندے ماترم گا کر ہندوستان کی آزادی کا خیر مقدم کیا۔ پاکستان کے قیام اور ہندوستان کی الگ ریاست کے لیے آزادی کی تاریخ 15 اگست مقرر کی گئی تھی جیسے قبول کر لیا گیا لیکن بعض ہندو جوتشیوں اور پنڈتوں نے کہا کہ 15 اگست ہندوستان کے لیے اُشہبہ ہوگی اس لیے تاریخ تبدیل کر دی گئی۔ تاہم دستاویزات میں یہ تاریخ 15 اگست ہی درج ہے۔ آخری واسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھی 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج رات پندرہ اگست شروع ہوتے ہی دو آزاد مملکتیں وجود میں آ جائیں گی۔ بندے ماترم گانے کا سلسلہ جاری رہا لیکن اسے قومی ترانہ نہیں بنایا گیا۔ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں یہ سوال اٹھایا گیا لیکن اسے زیر بحث لا کر قومی ترانے کی حیثیت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یقیناً ہندوستان میں موجود غیر ہندو اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے چلے آرہے اعتراضات تھے تاہم ہندو مذہبی اور انتہا پسند تنظیموں نے اسے پوری طرح اپنا لیا۔

گاندھی جی بھی چاہتے تھے کہ بندے ماترم ہی ہندوستان کا قومی ترانہ ہو۔

29 اگست 1941ء کو ایک اجتماع میں بندے ماترم گایا گیا تو گاندھی جی نے کہا:۔

”بندے ماترم کو موسیقی سے آراستہ کیا جائے تاکہ کروڑوں لوگ مل کر گائیں اور
 پہچان محسوس کریں۔ وہ سب (لوگ) ایک ہی راگ اور ایک ہی بھاؤنا (جذبے) سے
 گائیں۔ شانتی تلمین یا کوئی اور موزوں ادارہ اس کا قابل قبول راگ ڈیزائن کریں۔“

اس کے بعد مغربی بنگال میں وزیراعظم بی سی رائے کی قیادت میں بندے ماترم
 کے حق میں مہم چلائی گئی تاکہ اسے بطور قومی ترانہ قبول کر لیا جائے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

گورنمنٹ آف انڈیا کی دستاویز ”ہمارے قومی گیت“ میں کہا گیا ہے کہ ماہرین
 کی رائے میں بندے ماترم میں ضروری لے اور تال نہیں ہے۔ ان کی رائے میں قومی ترانہ
 کے لیے ضروری اہلیت تال ہے۔ اس لیے جانا گانا مانا کی سفارش کی گئی۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے جنہوں نے جانا گانا مانا لکھا تھا اس رائے سے اختلاف کیا
 اور کہا کہ گاندھی جی نے جانا گانا مانا کو ایک مذہبی گیت قرار دیا تھا نہ کہ قومی ترانہ۔⁵¹

رابندر ناتھ ٹیگور نے کہا ”بندے ماترم! یہ وہ جادوئی الفاظ ہیں جو سٹرائنگ روم
 کے لوہے کے سیف کے دروازے کھولیں گے، سٹرائنگ روم کی دیواریں توڑیں گے اور ان
 کے دلوں میں اتر جائیں گے جو بندے ماترم کی پکار سے غیر وفادار ہیں۔“⁵²

جب بندے ماترم اور جانا گانا مانا کے حوالے سے بحث جاری تھی تو ہندوستان
 کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا:۔

”یہ بد قسمتی ہے کہ بندے ماترم اور جانا کے مابین کچھ اعتراضات اٹھے ہیں۔
 بندے ماترم بلاشبہ اور بلا تنازعہ بھارت کا عظیم قومی گیت ہے جس کی ایک عظیم تاریخی
 روایت ہے اور یہ ہماری آزادی کی تحریک سے جڑا ہوا ہے۔ اس حیثیت کو برقرار رہنا
 چاہیے۔ کوئی اور گیت اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اس میں جدوجہد کے جذبات اور کسک

موجود ہے لیکن شاید وہ اس میں اتنے زیادہ سیکجا نہیں ہیں۔

قومی ترانے کی دُھن کے سلسلے میں محسوس کیا گیا کہ دُھن الفاظ سے زیادہ اہم ہے اور دُھن ایسی ہونی چاہیے جو بھارتی موسیقی کی روح پیش کرے اور اس میں کچھ مغربیت بھی ہوتا کہ آرکسٹرا اور بینڈ میوزک اسے آسانی سے اندرون اور بیرون ملک پیش کر سکیں۔ قومی ترانے کی اہمیت غالباً ملک سے زیادہ بیرون ملک ہے۔ ماضی کے تجربات نے بتایا ہے کہ جانا گانا دُھن بیرون ملک زیادہ پسند کی گئی۔ بندے ماترم کی اپنی عظیم دل کشی اور تاریخی پس منظر ہے لیکن بیرون ملک آرکسٹرا کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس لئے لگتا ہے کہ بندے ماترم ہندوستان کے بہترین قومی گیت کی حیثیت سے رہے۔ قومی ترانہ جانا گانا مانا ہونا چاہیے اور جانا گانا کے الفاظ اس طرح تبدیل کر دیے جائیں کہ موجودہ حالات میں فٹ ہو سکیں۔⁵³

نہرو کی اس دلیل کو بندے ماترم کے شیدائیوں نے پسند نہیں کیا۔ اس طرح سرکاری اور غیر سرکاری تسلیمات کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام مکمل کر لیا تو 26 جنوری 1950ء ملک کا یوم جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ صدر جمہوریہ کے انتخابات سے پہلے قومی ترانے کا انتخاب ضروری تھا۔ 24 جنوری کو یہ فیصلہ بھی ہو گیا۔ دستور ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے درج ذیل بیان جاری کیا جو اس معاملہ میں حتمی فیصلہ بن گیا:-

”الفاظ اور موسیقی کی جو کمپوزیشن جانا گانا مانا کے نام سے جانی جاتی ہے ہندوستان کا قومی ترانہ ہے۔ تاہم اگر ضرورت پڑے تو حکومت اس میں تبدیلی کر سکتی ہے۔ گیت بندے ماترم جس نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے جانا گانا مانا کے ساتھ مساوی حیثیت سے قابل احترام ہوگا اور درجہ برابر ہو

گا (تالیاں)۔ مجھے اُمید ہے کہ اس فیصلہ سے ارکان مطمئن ہو جائیں گے۔⁵⁴

صدر راجندر پرشاد کے دیے گئے فیصلے کے مطابق جنا گنا منا کو ہندوستان کا قومی ترانہ قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دینے اور اسے دوسروں کے لیے لازم کرنے کی حرکتیں یا کوششیں بند ہونا ضروری تھیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کچھ لوگ آج بھی اس نعرے کے ذریعے دوسروں خصوصاً مسلمانوں کو مغلوب کر کے اور انہیں موت کے گھاٹ اتار کے اپنی مذہبی جنونی وحشت کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں۔

کوئی ایسا سال نہیں گزرا جب ہندو مسلم فسادات، ہندوستان میں نہ ہوئے ہوں اور ہندو اکثریت نے کسی نہ کسی بہانے مسلمانوں کا خون نہ بہایا ہو۔ صرف یہی نہیں، بندے ماترم کو ضرورت کے وقت سیاسی مفاد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تب یہ قومی گیت نہیں، کسی سیاسی مداری کا گیت بن جاتا ہے جس کے ذریعے وہ دوسروں کے جذبات اور خیالات کو اپنی مرضی کے مطابق تیار کرتا اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس گیت کو راشٹریہ سبھوک سنگھ (آر ایس ایس) جیسی تنظیموں اور ان کی حامی بی جے پی (بھارتیہ جنتا پارٹی) جیسی ملک گیر سیاسی جماعتوں نے بھی الیکشن سٹنٹ بنایا ہوا ہے اور وہ گا ہے بگا ہے اس کے ذریعے اپنی سیاسی دکان داری چمکاتے رہتے ہیں۔

ہندوستان کو آزادی حاصل کئے ساٹھ سال کا عرصہ بیت گیا ہے لیکن سیکولر ہندوستان ایسے انتہا پسند ہندوؤں کو کھنڈے لائن نہیں لگا سکا جو بندے ماترم جیسے متنازعہ گیت کو قومی گیت بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ دہشت گردی جیسے ناپاک حربے بھی استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستان میں اپنی جان بچانے کے لیے چند گروپ اپنے آپ کو سیکولر مسلمان

کہلاتے ہیں۔ اس کے عوض انہیں بندے ماترم کہنا اور گانا بھی پڑتا ہے۔ اپنی جان و مال بچانے کے لیے انہوں نے بہت بڑی قربانی دی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

نام نہاد سیکولر مسلمانوں کو تشویش ہے کہ اگر وہ بندے ماترم گائیں گے تو مسلمان اس پر اعتراض کر سکتے ہیں اور اگر نہیں گائیں گے تو ہندوؤں کا غیض و غضب اُن کا پیچھا کرے گا۔ 25 فروری 2004ء میں ہونے والے الیکشن کے سلسلے میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے اقلیتی سیل کا اجلاس آگرہ میں ہوا تھا۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو الیکشن میں زیادہ سے زیادہ شامل کرنا تھا۔ اس اجلاس میں موجود پچاس کے لگ بھگ مسلمانوں نے بھی بندے ماترم گایا۔ وہی ہوا جس کا انہیں اندیشہ تھا۔ ایک مقامی مولانا نے فتویٰ جاری کر دیا کہ جن مسلمانوں نے بندے ماترم گایا وہ کافر ہو گئے۔ ان کی شادیاں بھی ختم وہ دوبارہ نکاح کریں۔

آر ایس ایس نے جو بندے ماترم کی چیمپین بنی ہوئی ہے 1947ء سے پہلے جو لٹریچر شائع کیا اس میں بندے ماترم گانا تو درکنار اس کا حوالہ بھی موجود نہیں ہے حتیٰ کہ کے بی ہگیواڑ اور گوالکر کی تحریروں میں بھی اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ جماعتیں جو بندے ماترم کی چیمپین بنی پھرتی ہیں آزادی کی تحریکوں میں کہیں نظر نہیں آتیں لیکن انہوں نے نفرت کی بنیاد پر سیاست اور خوف کے ذریعے ہندو اکیٹا کو محفوظ رکھنے کا پُر تشدد راستہ اپنایا ہوا ہے۔ بندے ماترم کو الیکشن حربہ بنایا جا رہا ہے۔ 7 ستمبر 2006ء کو ہندوستان میں بندے ماترم کی صد سالہ تقریبات منانے کا اعلان کیا گیا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی جن ریاستوں میں حکومت تھی وہاں 7 ستمبر کو تعلیمی اداروں اور دوسری تقریبات میں بندے ماترم گانا لازمی قرار دے دیا گیا جبکہ اکثر ریاستوں نے اسے اپنی مرضی کے تابع قرار دیا۔ سکھ اور مسلمان گروپوں نے اس پر اعتراض کیا۔ شرومنی گوردوارہ پر بندھک کمیٹی اور سٹوڈنٹس اسلامک

آرگنائزیشن آف انڈیا نے ہم مذہب لوگوں سے کہا کہ وہ 7 ستمبر کو صبح 1 بجے ہونے والی تقریب میں شرکت نہ کریں۔

مدھیہ پردیش، جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ، اڑیسہ اور کرناٹک کی حکومتوں نے اسے پڑھنا لازمی قرار دیا۔ جہاں بی جے پی کی حکومتیں نہیں تھیں بلکہ وہ خود حکومتوں کا حصہ تھی وہاں کے وزیروں اور ایم ایل اے سے کہا گیا کہ وہ گانے کی تقریبات میں ضرور شرکت کریں۔ 7 ستمبر کو اکثر مسلمانوں کے بچے کالج اور سکول نہیں گئے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما اور سابق وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے نئی دہلی میں پارٹی کے اجلاس میں بندے ماترم گایا اور بھاشن دیتے ہوئے کہا:۔

”اس گیت نے مصیبت اور پریشانی میں ہمیشہ ہندوستانیوں کو طاقت دی۔ فتح اور شکست، امیری اور غربتی میں بندے ماترم نے ہمیں حوصلہ دیا ہے۔ جب بھی قربانی دینے کی ضرورت پڑی، رضا کاروں نے یہ گیت گاتے ہوئے موت کا سامنا کیا۔“

بی جے پی کے رکن اور سابق کرکٹر نوجوت سنگھ سدھو نے اسے دلش کی آتما قرار دیا۔ شیو سینا کے لیڈر اودھے ٹھا کر نے ممبئی میں بندے ماترم گانے کے بعد پر جوش تقریر کے دوران کہا:۔

”جن لوگوں کو بندے ماترم گانے سے تکلیف ہوتی ہے، وہ اس دلش سے چلے جائیں۔“

مرلی منوہر جوشی نے یہ جشن شیوا پارک میں منایا۔

یہ جشن منانے سے دو ہفتے پہلے بھارتی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں امام صاحب جامع مسجد دہلی کی اس ہدایت پر کہ مسلمان بندے ماترم نہیں گائیں گے، وقفہ سوالات کے دوران بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیو سینا کے ارکان نے جن کی

قیادت منوہر جوشی اور سسٹما سوراج کر رہے تھے کہا کہ امام صاحب کے بیان سے دلش اور شہیدوں کا ایمان (بے عزتی) ہوا ہے۔ وہاں اس قدر شور و غل ہوا کہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا اور سپیکر سوم ناتھ چیئر جی نے کہا:-

”یہ بد قسمتی ہے کہ قومی گیت بھی پارلیمنٹ میں تنازعہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔“
سات ستمبر اسی حالت میں گزر گیا لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی کی مہم جاری رہی۔
17 نومبر 2006ء کو یو پی (اتر پردیش) کے وزیر برائے بنیادی تعلیم روندرشکلا نے اعلان کیا کہ بندے ماترم گانا سب کے لیے لازمی ہے۔ اس سلسلے میں حکم موجود ہے جس پر عمل کیا جائے گا۔

ہندوستان کے آئین کے آرٹیکل 28(1) اور (3) میں کہا گیا ہے کہ غیر سرکاری اداروں میں کوئی مذہبی ہدایات جاری نہیں کی جائیں گی۔ اس کا اطلاق صرف بندے ماترم نہیں بلکہ سرسوتی وندنا پر بھی ہوتا ہے جو سرسوتی ماتا کے لیے مخصوص ہے۔ سپریم کورٹ بھی فیصلہ دے چکی ہے کہ قومی گیت گانا لازمی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بندے ماترم اور سرسوتی وندنا دونوں پر یہ فیصلہ لاگو ہوتا ہے۔

تاہم مسٹر وندر شکلا نے کہا کہ بندے ماترم گانا لازمی قرار دینا آئین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ سمیتا پارٹی اُن سے بھی آگے نکل گئی۔ اس نے اعلان کیا کہ بندے ماترم میں تو کوئی مذہبی بات ہے ہی نہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی جو راشٹریہ سیوک سنگھ کی ذیلی سیاسی تنظیم ہے اور ایسی دوسری انتہا پسند ہندو تنظیمیں اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کو ٹارگٹ بنا رہی ہیں۔ جولائی 2007ء میں بی جے پی کی قیادت نے ایک بار پھر بامبری مسجد کی جگہ مندر بنانے کا اعلان کیا۔ معروف ہندوستانی صحافی کلہ یپ نیر نے جون 2007ء میں بی جے پی اور مسلمانوں کے حوالے

سے ایک مضمون میں لکھا:۔

”بی جے پی اگر گجرات حکومت کے کرتوتوں پر شرمندہ نہیں ہو سکتی تو اسے تھوڑے دُکھ کا اظہار تو کرنا چاہیے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب وزیر اعلیٰ نریندر مودی کی الماری یا کسی اور جگہ سے کوئی ڈھانچہ برآمد نہ ہوتا ہو۔ تازہ ترین حالت یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے روبرو گجرات حکومت نے تسلیم کیا ہے کہ ایک جعلی پولیس مقابلہ ہوا تھا۔ اعلیٰ پولیس افسر نے بتاتے ہوئے کہا کہ اس پر حکومت کا دباؤ تھا۔ نومبر 2005ء میں ایک مسلمان خاتون اپنے شوہر کے ساتھ جارہی تھی کہ پولیس نے انہیں مار کر نکڑے کیے اور جلا دیا۔ یہ حرکت کرتے ہوئے پولیس نے اس قتل کو ’دیش بھگتی‘ قرار دیا۔“ کلدیپ نیرونے لکھا ہے: ”کوئی بھی رپورٹ ایسی نہیں آتی جس میں 2002ء کے فسادات میں منصوبہ کے تحت مسلمانوں کے قتل عام کا ذکر نہیں ملتا۔ صرف یہی نہیں ہوا، زندہ بچنے والوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔“

(مغربی ممالک نے نریندر مودی کو بھارتی صوبہ گجرات میں مسلم کش پالیسی کا

ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اپنا ویزا دینے سے انکار کر دیا تھا)

انسانی حقوق والی تنظیمیں کہہ رہی ہیں کہ 2002ء کے تشدد کے بعد جان بوجھ کر خوف و دہشت کی فضا مسلمانوں کے اندر قائم کی جا رہی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنے نیوز لیٹر میں لکھا ”پانچ سال گزر گئے۔ گجرات حکومت نے مسلمان اقلیت کو تحفظ دینے میں ناکامی اور بعد میں عدل فراہم نہ کرنے پر معافی نہیں مانگی۔ گجرات حکومت کی مکمل ناکامی سے بالکل واضح ہے کہ وہ فسادات میں ملوث تھی جس میں 2000 انسان قتل کر دیے گئے۔ جو نام نہاد پولیس مقابلہ ہوا تھا اس سلسلے میں جب حکومت پر انگلیاں اٹھیں کہ مقابلہ مشکوک تھا تو تین پولیس والے گرفتار کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ نریندر مودی حکومت پولیس والوں کو

ایسے ”ولیش بھگتی کاموں“ میں ملوث ہونے کی ”ہدایات“ دیتی ہے اور اس کے ذمہ دار وزیر اعلیٰ اور کابینہ ہیں۔“

کلدیپ نیر کے مطابق ”راجستھان میں عیسائیوں پر ظلم اور بدھیہ پرویش میں مسلمانوں کے خلاف واقعات بتاتے ہیں کہ اس پارٹی نے اپنے ”ہندوتوا“ ایجنڈا کی تکمیل کے لیے اقلیتوں کو خوفزدہ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔“

ملک میں مسلمانوں کی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت کے بارے میں سچر کمیٹی نے بھی اپنی تحقیقات میں یہی بات بتائی ہے۔ مضمون نگار نے لکھا کہ بی جے پی کی قیادت اپنے آپ کو مودی انتظامیہ کی مسلمانوں کے خلاف سرگرمیوں سے لاعلم ظاہر کر رہی ہے لیکن یہ فطری بات ہے کہ اس پارٹی کو کنٹرول کرنے والی راشٹر یہ سیوک سنگھ کی مسلمان دشمن پالیسی میں زیندر مودی کے اقدامات ”فٹ“ نظر آتے ہیں۔

معروف ماہر تعلیم امریک سنگھ نے اپنی کتاب ”ہندو اینڈ مسلم ڈیوائیڈ ان انڈیا“ میں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ آریس ایس نے اپریل 1925ء کا ایجنڈا ہرانا شروع کر دیا ہے جب وہ بنی تھی۔ بی جے پی اس کا سیاسی بازو ہے۔ آریس ایس مسلمانوں اور ہندوؤں میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ بڑھانا چاہتی ہے۔ ”مضمون نگار نے اختتام یوں کیا کہ ”گجرات میں گاندھی کا جنم ہوا تھا لیکن ان کا کوئی آشرم وہاں اب تک نہیں ہے۔ گجراتی برادری نے اس لاقانونیت اور بے جس حکومت کے خلاف ملک کے اندر اور باہر آواز نہیں اٹھائی۔ اس کے ضمیر پر 2002ء کے تشدد کے بعد بھی جوں تک نہیں رہینگے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ گودھرا میں ٹرین میں ”چند سیوک“ جل جانے کے بعد مودی حکومت جو کر رہی ہے وہ ٹھیک ہے۔“

ہر گجراتی عورت اور مرد کو ”نھورام گوڈ سے زندہ باد“ کہنا چاہیے جس نے گاندھی کو

قتل کر دیا تھا اور اگر وہ گاندھی کی عزت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو مودی کی مذمت کریں۔
باقی معاملہ تو دراصل گجراتیوں اور ان کے ضمیر کے مابین ہے۔“

9- جولائی 2007ء کو انگریزی روزنامہ ”دی نیشن“ لاہور کی اشاعت میں
بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر راج ناتھ سنگھ کا انٹرویو شائع ہوا جو انہوں نے ”تہلکہ“ کے
انوراگ تریپاٹھی کو دیا۔ ایک سوال کے جواب میں بی جے پی اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے تعلق
کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ان الفاظ میں اعتراف کیا:-

”میں خود سوئم سیوک ہوں اور یہ سچ ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ جب بھی اور جیسی
بھی ضرورت ہو ہماری رہنمائی کرتی ہے۔“

ہندوستان کے آئین کی وہ شق درج ذیل ہے جس میں مذہبی احکامات نافذ کرنے سے روکا گیا ہیڈ:-

Article 28(1) and (3) of the Constitution. "(1) No religious instruction shall be provided in any educational institution wholly maintained out of state funds" and (3)"No person attending any educational institution recognised by the State or receiving aid out of State funds shall be required to take part in any religious instruction that may be imparted to such institution or to attend any religious worship that may conducted in such institution or in any premises attached thereto unless such person or, if such person is a minor, his guardian has given his consent thereto."

☆☆☆

بندے ماترم کا المیہ

لفظ کی پوری کائنات میں بہت اہمیت ہے کہ اس کے اندر معانی، پیغام اور حقیقت موجود اور موثر ہوتے ہیں۔ تاہم ضروری ہے کہ اس کی ادائیگی چاہے تحریر میں ہو یا تقریر میں، تعریف کے لیے ہو یا تنقید کے لیے، خاص ترتیب اور انداز میں کی جائے تاکہ ابلاغ کا مقصد پورا ہو جائے۔

لفظ فرد سے افراد تک اپنا تاثر چھوڑتے ہیں۔ حالات کے تناظر میں دلائل کے اعتبار سے طاقتور ہوں تو دلیل اور جواز بن کر تاریخ کا دھارا بدل دیتے ہیں۔ کمزور اقدار کو ختم کرنے اور نئی اقدار کے بارے میں سوچنے کی راہ دکھاتے ہیں، انسانی جذبات سے کھلتے ہیں، خیالات کی دنیا میں مد و جذر پیدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک پرسکون سمندر کی طرح بہنے لگتے ہیں لیکن جوار بھائا کبھی کبھی معمول سے زیادہ پُر شور اور پُر جوش ہوتا ہے۔ بے ربط ہوں یا کسی مخصوص مقصد یا تاثر کے لیے ہوں تو ان کا دائرہ بھی محدود ہو جاتا ہے۔

الفاظ کا سحر ان کی تاثیر اس درجہ محرک ہوتے ہیں کہ دہی ہوئی چنگاریاں جوالا کبھی بن جاتی ہیں۔ کمزور اور ناتواں جسم میں تو انائی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ الفاظ زبان سے ادا ہوں یا اشاروں کے ذریعے انسانی سوچ، عمل اور ردِ عمل کو ایک دوسرے کے شعوری حصے میں پہنچا دیتے ہیں۔ شادی بیاہ کے گیت ہوں یا اداسی کے لمحات، دل میں ٹھاٹھیں مارتی خوشی ہو یا دل میں پھانس کی طرح اٹکی ہوئی جھین، الفاظ کے ذریعے اظہار نہ ہو تو تشنگی کا احساس رہتا ہے یا دل و دماغ پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ رزمیہ گیتوں سے لے کر بزمیہ غزلوں تک الفاظ نے اپنا جادو جگایا ہے۔ محبتوں کے پودے اُگائے ہیں تو دہی ہوئی نفرتوں کو بھی باہر نکالا ہے۔

پوری انسانی تاریخ، الفاظ اُن کی روح، اُن کے معانی کے اثرات سے لتھڑی نظر آتی ہے۔

”بندے ماترم“ بھی لفظوں کا کھیل ہے جس کی خاص انداز میں نئے سرے سے ترتیب و تدوین کر کے اس میں شدت اور حدت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ دوسروں سے نفرت کی بنیاد پر اپنے آپ سے محبت کا پیغام ہے جس میں اپنے آپ کے علاوہ دوسروں کو ”نہ ہونے“ کے لائق قرار دیا گیا ہے۔ ہر انسان جو اس کے آگے نہیں جھکتا، اسے تسلیم نہیں کرتا، وہ بندے ماترم کی رزم میں، بزم میں، معاشرے میں خودداری اور اپنی پسند سے زندہ رہنے کے حق سے محروم سمجھا جاتا ہے۔ ہر مہذب معاشرہ فرد اور افراد کو ان کے مذہبی عقیدے اور رسم و رواج اپنانے کا حق دیتا ہے، انہیں تمام مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور انسانی معاشرتی حقوق حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کے حقوق اس وقت قابلِ تعزیر قابلِ تادیب ہو جاتے ہیں جب اُن کے اظہار سے دوسروں کے ایسے ہی حقوق مجروح یا مقتول ہونے لگتے ہیں۔ طاقت اور جبر سے کسی کے نظریات کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تبدیلی صرف عمل، ربط اور کردار کی گواہی اور ثبوت کے حوالے سے عمل پذیر ہوتی ہے جس کی بنیاد بھی ٹھوس تعلقات کی بنیاد پر استوار ہو جاتی ہے۔

’بندے ماترم‘ گانا اُن ہندوؤں کا حق ہے جو اسے کسی بھی وجہ سے پسند کرتے ہیں لیکن جب اس کے ذریعے مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کی عبادت گاہیں اجاڑنے کی باتیں اور کوششیں ہوں گی تو مسلمان، چاہے ہندوستان میں ہو یا دُنیا کے کسی اور خطے میں اسے ناپسند کرے گا۔ کمزور اقلیت کی صورت میں کان اور آنکھیں بند کرے گا۔ نظریاتی اور قومی استحکام کی صورت میں اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھے گا۔

بندے ماترم کا المیہ یہ ہے کہ اس کے تمام اعضا ایک دوسرے کے ساتھ زبردستی جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس طرح ’جنا گنا منا‘ دراصل جارج پنجم کی مدح میں کہا گیا ایک گیت ہے اور اُسے صرف دُھن اچھی بننے کی بنیاد پر ہندوستان کا قومی ترانہ چُن لیا گیا، اسی طرح ایک علاقائی گیت بندے ماترم کو جس میں بنگال کے حُسن کا بیان اور ”کالی ماں“

کا ذکر ہے جو بنگال کے ہندوؤں میں مقبول ترین اور ہندو دھرم کی دیوی ہے، صرف اس لیے قومی گیت کا درجہ دے دیا گیا کہ 1905ء میں تقسیم بنگال کے خلاف احتجاج کے دوران اسے گایا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب دراصل بنگال میں ہندومت کے احیاء کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اگر تقسیم بنگال نہ ہوتی تو یہ گیت غیر معروف رہتا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ گیت ان انتہا پسندوں کے ہاتھ میں آ گیا جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ برطانوی حکمرانوں نے بظاہر اس پر پابندی لگائی لیکن معیار دوہرا تھا کیونکہ بیرون ہندوستان جرمنی کے خلاف جنگ لڑنے والی بنگال رجمنٹ کے سپاہیوں کو بندے ماترم گانے اور نعرہ مارنے کی اجازت تھی۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہیں سدھایا اور سکھایا گیا تھا کہ انگریز ہندوستان میں ہندوؤں کے نجات دہندہ اور دوست بن کر آئے ہیں جو سب کچھ سکھانے کے بعد ہندوستان کو ہندوؤں کے حوالے کر کے چلے جائیں گے۔

انگریز چونکہ مسلمانوں کے خلاف تھا اس لیے فیصلے مسلمانوں کے خلاف کیے گئے۔ کانگریس کی قیادت اور گاندھی جی کا درپردہ صلاح مشورہ برطانوی حکمرانوں کے ساتھ رہا۔ اسی لیے نہ صرف تقسیم ہندوستان اور اقتدار کی منتقلی کی اعلان کردہ تاریخ بلکہ طے شدہ جغرافیائی سرحدیں بھی تبدیل کر دی گئیں۔ یہی وجہ تھی کہ تقسیم ہندوستان کے وقت ہندوؤں نے حکمران انگریزوں کو اپنے حملوں کا نشانہ نہیں بنایا جنہوں نے اپنے دور اقتدار میں ”بھارت ماتا“ کے دو ٹکڑے کر دیے تھے بلکہ سارا زور مسلمانوں پر لگا دیا۔

جن لوگوں کا خیال تھا کہ تقسیم کے بعد ہندوستان خالص ہندو راج والا ہندوؤں کا ہندو دیش بن جائے گا اور بندے ماترم کو قومی ترانہ کی حیثیت حاصل ہو جائے گی، ان کی توقع پوری نہیں ہو سکی تاہم وہ اب گٹو ماتا کی صورت میں انتہا پسندوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دھرم کا نام لے کر اپنی سیاست کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے بندے ماترم کو اپنی شناخت بنا لیا ہے۔ دراصل بندے ماترم وہ گائے

ہے جس کے گلے میں رسی ڈال کر ان انتہا پسند تنظیموں نے اسے اپنی مرضی کا تابع بنایا ہوا ہے۔ یہ دودھ دینے والی گائے نہیں، خون کی بھیٹ لینے والی کالی دیوی ہے جو بینکم چندر چیٹر جی جیسے لوگوں کی ماں تھی اور اب بھی ہے، انسانی لہو سے زندہ رہنے والی کالی ماں!

اسے بھارت دیش میں ایکتا پیدا کرنے والا دیش سے محبت کی سکھشا (تعلیم) دینے والا دھرتی ماں کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کی تحریک پیدا کرنے والا ہندوستانیت کے جذبے جگانے والا گیت کہا جاتا ہے اسے قومی ترانہ قرار دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسے بینکم چندر چیٹر جی نے اپنے ناول ”آئندہ مٹھ“ میں کہانی کا حصہ بنایا ہے جو ایسے سنیا سیوں کے گروہ کے گرد گھومتی ہے جو ایسے سنتان یا بچے کہلاتے ہیں جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنی زندگیاں دیش ماتا کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو حملہ آور اور ناپاک قرار دیتے ہیں۔ انہیں کالی ماتا میں اپنی دھرتی نظر آتی ہے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں۔ معروف مورخ آر۔ سی۔ موجد نے کہا ہے کہ ”آئندہ مٹھ کا پلاٹ اور کالی دیوی کی شبیہ کے بعد تو کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ بینکم چندر چیٹر جی کا (بندے ماترم والا) نیشنل ازم ہندوستانی نہیں، ہندو تھا۔“⁵⁵

معاشرے میں انتہا پسندی تاریخ کے مختلف ادوار میں رہی ہے اور عام طور پر اس کا مقصد اپنا ساتھ دینے والوں کو معتمد اور دوسروں کو اپنی مرضی کا تابع بنانا ہوتا ہے۔ تاہم تاریخ بار بار بتاتی ہے کہ انتہا پسندوں کو اپنے معاشرے میں موجود اخلاقی اقدار میں یقین رکھنے والوں کی مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور اکثر ایسی انتہا پسندی اپنے ہی معاشرے کے سچے اور مضبوط لوگوں کی مسلسل مزاحمت کے نتیجے میں زمین بوس ہو جاتی ہے۔ ”بندے ماترم“ کو بھی تاریخ کے اس عمل سے گزرنا ہوگا کہ دوسروں پر اچھالا جانے والا نفرت کا زہر پہلے خود اپنے اندر پیدا اور محفوظ کیا جاتا ہے اور..... زہر زندگی نہیں، موت دیتا ہے۔

حوالہ جات

- 1- بھابھوش چٹیر جی (ایڈیٹر) بینکم چندر چٹیر جی—مضامین، ساہتی اکیڈمی دہلی، 1994ء، صفحہ نمبر 601
- 2- بی تھانپکن نائر، ہندوستان کے قومی گیت اور علامتیں، فرما کلکٹ 198ء، صفحہ نمبر 38
- 3- بی تھانپکن نائر، ہندوستان کے قومی گیت اور علامتیں، فرما کلکٹ 198ء، صفحہ نمبر 32
- 4- اربند داس، ایسے آف ڈلائٹ (بینکم چندر چٹیر جی کے بنگالی ناول ”آئندہ منٹھ“ کا انگریزی ترجمہ، بندھنا داس، کولکٹہ 2000ء، صفحات 161-162
- 5- آر۔سی۔ موہن داس، ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ ان انڈیا، جلد دوم، 1963ء، صفحات 150-151
- 6- اخبار ”پرکاش“ لاہور، اشاعت 26-اپریل 1925ء
- 7- پروفیسر رفیع اللہ شہاب، سیرت قائد اعظم، اگست 1994ء، صفحہ 89
- 8- ڈی۔وی۔ مہاجن، ہسٹری آف انڈیا، جلد دوم، صفحہ 446
- 9- اخبار ”پرکاش“ لاہور، 26-اپریل 1926ء
- 10- لالہ لاجپت رائے، ”شیواجی“، دہلی، صفحہ 135
- 11- جواہر لال نہرو، ”حلاش ہند“، مکتبہ جامع دہلی، صفحہ 133
- 12- بالفور ایڈورڈ انسائیکلو پیڈیا انڈیا، جلد دوم، 1958ء، صفحہ 56
- 13- سوامی دیانند برگ وید آدی بھاشا، صفحہ نمبر 81
- 14- پنڈت دیک مٹی—وید سرود، صفحہ 97
- 15- پنڈت شانتی دیو شاستری، رسالہ ”گنگا“، فروری 1931ء، صفحہ 432
- 16- جواہر لال نہرو، تلاش ہند، صفحہ 77
- 17- ڈاکٹر سریندر داس گپتا، اے، ہسٹری آف انڈین فلاسفی، جلد اول، صفحہ نمبر 11
- 18- آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، جلد دوم، باب نمبر 7، صفحہ 286
- 19- علامہ عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، صفحہ 194
- 20- سوامی دیانند سرسوتی کے عقائد، آریہ پرنٹینڈی سبھا، یو پی، 1912ء، صفحہ 1 سے 3

- 21- ایضاً
- 22- نرسنگھ سل، رام کرشن پر، مسالے سائیکلو جیکل پروفائل، لیڈن، نیدر لینڈ 1991ء، صفحہ نمبر 16
- 23- شکاگو خطبات، واک نندا، مذاہب پر عالمی پارلیمنٹ 1893ء، صفحات 19-20
- 24- وشنودگا مہرپالوسکر، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، صفحہ 54
- 25- اخبار ”کیسری“، جنوری 1924ء
- 26- وید مہتہ، مہاتما گاندھی اینڈ ہنر ایسپوزٹو، وانگ پریس، نیویارک 1997ء، صفحہ 139
- 27- ”ینگ انڈیا“، دہلی 29 مئی 1924ء
- 28- روزنامہ سٹیٹسمین، کلکتہ (بحوالہ روزنامہ الفضل، لاہور) 9- مارچ 1918ء
- 29- ”ینگ انڈیا“، دہلی 21- اکتوبر 1921ء
- 30- شریف الدین پیرزادہ، فاؤنڈیشنز آف پاکستان، جلد دوم، صفحہ 349
- 31- روزنامہ ہندو 13 جولائی 1925ء
- 32- گاندھی، جام پور کاٹھیاواڑ، سیاسی کانفرنس میں تقریر 1929ء
- 33- پروفیسر رفیع اللہ شہاب، سیرت قائد اعظم 1994ء، صفحہ 187
- 34- ایضاً، صفحہ 188
- 35- قائد اعظم محمد علی جناح کی تقاریر، بیانات اور پیغامات، بزم اقبال، لاہور
- 36- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تحریک آزادی ہندو اور مسلمان، حصہ اول، صفحہ 416-420
- 37- شریف فاروق، قومی ہیرو کون؟ — روزنامہ نوائے وقت، لاہور 11 مارچ 2007ء
- 38- نواب صدیق علی خاں، بے تنگ سپاہی 1971ء، صفحہ 139
- 39- سوپن داس گپتا، کالم ”رائٹ اینگل“، فریڈم سوئنگ، نوائے انڈیا پریس، 7 ستمبر 2006ء
- 40- روزنامہ ہریجن، دہلی 6- جولائی 1940ء
- 41- ایضاً 13- اپریل 1940ء
- 42- قائد اعظم محمد علی جناح کی تقاریر، بیانات اور پیغامات، جلد دوم، بزم اقبال، لاہور، صفحہ 195
- 43- ایضاً، صفحہ 200

- 44 ایضاً، صفحہ 207
- 45 ایضاً، صفحہ 210-21
- 46 ایضاً، صفحہ 211
- 47 ایضاً، صفحہ 226
- 48 دی سٹیشنرین 6- نومبر 1939ء، بیانات اور پیغامات، بزمِ اقبال، لاہور صفحہ 319
- 49 ”نیوز کرائیکل-8- دسمبر 1939ء، بیانات اور پیغامات، بزمِ اقبال، لاہور صفحہ 328
- 50 سواپن داس گپتا، 8- دسمبر 1939ء، بیانات اور پیغامات، بزمِ اقبال، لاہور
- 51 رابندر ناتھ ٹیگور، صد سالہ تقریبات دستاویزات 1952ء
- 52 رابندر ناتھ ٹیگور، گلورینس تھائس آف ٹیگور، صفحہ 165
- 53 پنڈت نہرو، گلورینس تھائس آف نہرو، صفحہ 139
- 54 دستاویزات دستور ساز اسمبلی انڈیا، جلد نمبر 24.01.1950
- 55 آر۔سی۔ موجد، ربرٹس پیراماؤنٹسی اینڈ انڈین ریناسنس، جلد دوم، بھارتیہ ودیا بھون، 1965ء، صفحہ 478

کتابیات

- 1 اپنی کہانی — راجندر پرشاد
- 2 انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، علامہ عبداللہ یوسف علی
- 3 بے تیغ سپاہی — نواب صدیق علی خان
- 4 تحریک آزادی ہندو اور مسلمان — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
- 5 جیسا میں نے قائد اعظم کو دیکھا — سید شمس الحسن
- 6 سیرت قائد اعظم — پروفیسر رفیع الدین شہاب
- 7 مادرِ ملت، آبروئے ملت — رفیق عالم
- 8 ملت کا پاسبان — پروفیسر کرم حیدری
- 9 قائد اعظم — ایک قوم کی سرگزشت — جی الانہ
- 10 قائد اعظم — تقاریر اور بیانات — بزمِ اقبال، لاہور

BIBLIOGRAPHY

1. I follow the Mahatama, K.M. Munshi,
2. History of freedom Movement in India, R.C. Majumdar, 1946. Volume Two, 1963.
3. Foundations of Pakistan, Syed Sharifuddin Pirzada, National Publishing House, Karachi, 1969.
4. Jinnah and His Times, A Biography, Aziz Beg, Babur and Amer Publications, Islamabad, 1986.
5. Jinnah of Pakistan, Stanley Wolpert; Oxford University Press, New York, 1984.
6. Mahatama Gandhi and his Apostles, Ved Mehta, The Vikings Press, New York.
7. M.A. Jinnah-Ispahani Correspondence (1936 - 1948) Pakistan Herald Press, Karachi. 1975.
8. Muhammad Ali Jinnah, Matlubul Hasan Saiyed. Publishers Limited, 1970.
9. My days with Gandhi, N.K. Bose, Calcutta, 1953.
10. Nehru, A Political Biography, Michael Edwardes, Praezer Publishers, New York. 1971.
11. Pandit Ji, A Portriat, Marie Seton Dennis Dobson Books Limited, London, 1967.
12. Plain Mr. Jinnah, Syed Shamsul Hassan, Royal Book Company, Karachi, 1976.
13. Quaid's Correspondence, edited by Syed Sharifuddin Pirzada, Services Club, Rawalpindi, 1987.
14. The Evolution of India and Pakistan, (1858 - 1947) Philips, Oxford University Press.

15. The Glory of Quaid-i-Azam, Muhammad Yusuf Khan, Carvan Book Center, Multan, 1976.
16. Oxford History of India (Book Two).
17. The Making of Pakistan, Richard Symonds, Allied Book Corporation, Karachi, 1966.
18. The Moral and Political Thoughts of Mahatama Gandhi, N. Raghvan, Oxford University Press, 1972.
19. The Visitors of Quaid-i-Azam, Professor Ahmed Saeed, Bazm-i-Iqbal, Lahore. 1989.

Documents

1. Indian National Songs and Symbols.
2. Constituent Assembly of India, Volume 12.
3. Selected Documents on History of India and Pakistan Part IV
4. The Speeches and Messages of Quaid-i-Azam, Bazm-i-Iqbal, Lahore.
5. Transfer of Power (Indo-Pak)

نیٹ ورک-ویب سائٹس

1. http://en.wikipedia.org/wiki/Vande_Matram
2. Global Hindu Electronic Network
3. <http://intyoga.online.fr/bande.htm>.
4. www.Nazariapak.info.

اخبارات، رسائل، الیکٹرانک میڈیا، دستاویزات

- 1- روزنامہ نوائے وقت
- 2- روزنامہ جنگ
- 3- روزنامہ ایکسپریس
- 4- روزنامہ جناح
- 5- روزنامہ پاکستان
- 6- روزنامہ خبریں
- 7- روزنامہ اوصاف
- 8- وی نیشن
- 9- وی نیوز
- 10- ڈان
- 11- ڈیلی ٹائمز
- 12- ہفت روزہ فیملی
- 13- ہفت روزہ اخبارِ جہاں

اشاریہ

شخصیات	بٹین، لارڈ ماؤنٹبٹین 136, 10
آزاد ابوالکلام 105, 103, 48	بیراگی 44
اچاریہ سی راج گوپال 104	پارتی 62
اچاریہ، ششکر 83, 65	پالوسکر و شنودگا مہر پنڈت 151, 88
اکبر، شہنشاہ 100	پانڈو 42
امام علی سید 107	پٹیل، دلہ بھائی 48
امبالال، سارالال 91	پرشاد ڈاکٹر راج 153, 139, 13
افضل خان 46	پرہم سارام کرشن 151, 83, 7
اورنگ زیب عالمگیر 43	پنڈت جی 147, 129, 128, 126
اوما 62	تارا چندر ڈاکٹر 66
ایڈورڈ بالفور 150, 52, 5	ترپاٹھی، انوراگ 145
واجپائی، اٹل بہاری 141	ٹلسی داس 95
بالمیکی 79	تیلک، بال گنگا 45, 44, 43, 42, 41
بدھ، مہاتما گوتھم 83, 65	110, 92, 87, 48, 46,
بندھو، اپادھیائے براہما 32	گوہاٹھا کرمانو رنجن 71
بوس، سبھاش 105, 103, 83, 3	ٹنڈن، پرشوتم داس 48
بھٹ، جادو 25	ٹیمپو، فتح علی 67, 52
بھوپندر ناتھ، ڈاکٹر 41	ٹیکورڈوارک ناتھ 72, 71
بھاؤنشا 34, 33	ٹیکورڈیو ندر ناتھ 72
بینرجی، سریندر ناتھ 43	ٹیکورڈا، بن 79, 67, 39, 42, 28

149, 77, 75, 59, 45, 44	151, 136, 128, 127, 126, 125, 103
دیوی راج لکشمی 30	جعفر میر 71
دیوی سرلا 126	جوشی سری منوہر 140
ڈیوس ایسے 97	جوہر محمد علی مولا 88, 89
ڈیسا کی مرارجی 48	جے دی 65, 66
راجن کے نٹ 102	چاکلی 46, 47, 96
رام چرن 67	چندر پال بابو پنن 32
رامان 65	چندر داس ابھیناش پروفیسر 57
رائے بی سی 136	چندر سین کیشپے 72, 81
رائے جگ دی 104, 105	چیتیا 81, 82
رائے ڈی ایل 43	چیز جی ہینکس 25, 26, 27, 28, 29
رائے رام موہن 29, 70, 74	149, 148, 88, 87, 71, 43, 34, 31, 30
رائے لاجپت لال 47, 48, 149	چیز جی سوم ناتھ 141
رائے ایم این 102	چیز جی یادو چندر 27
ستی 36, 37, 38, 39	حیدر علی 67
سراج الدولہ نواب 33, 67	داراشکو 100
سر سید احمد خان 105	داس چتر پنن 2, 3
سنہا پرتاپ رانا 43	داس سمرتھ رام 46
سیل نرسنگا 8, 150	دت اشونی کمار 71
سنگھ امریک 143	دت پنڈت ستیہ 57
سنگھ راج ناتھ 144	دت مائیکل مدھوسرن 73
سنگھ راجد مان 47	دُرگا 45

140, 128, 88	اثر	152, 150, 10	مورودی، سید ابوالکلام
31	امراوتی	143, 142	مودی، نریند
107, 94	امرت	43	موریہ، چندر گپت
90, 72, 70, 3	انگلستان	48	نشی، کے ایم
99	اودھ	48	مونیجے
104, 31	برا	150	مہتہ، وید
70	برودوان	40, 39, 34, 33	مہر
31	بڑودھ	100, 69, 67, 66	نایک، گ
101, 87, 75, 70, 66, 57, 42	بٹوار	66, 65	ناواگی
45, 3	بھوانی	51	نرادکمار، چوہدری
88, 67	بہار	83, 81, 59	نندہ، ویک
32	پانڈی چری	110, 103, 98, 56	نہرو، جواہر لال
116, 111, 101, 102, 100	پرویش، مدھیہ	151, 149, 137, 136, 111,	نوروجی، دادا بھائی
143, 140	پلاسی	48	نیر، کلہ پ
67, 33	ترکی	143, 142, 141	نشو، 62
93	جھاڑ کھنڈ	81, 71, 29	ویدیا، ساگر، ایشور
140	جنوبی افریقہ	73	ہیر، ڈیوڈ
110, 102, 90	چمپارن	34	پیشنگلو، وارن
91	چھتیس گڑھ		مقامات
140	ڈھاکہ	96	آشرم، گاندھی
140, 119, 113, 112, 106		92, 91	احمد، بابا

شرق پور 66	تنظیمیں
شکاگو 150,83	اسلامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن انڈیا 118
علی پور 63,31	آریہ سماج 76,75,57,52,34
کاٹھیاواڑ 75	92,79,
کالی گھاٹ 63,42	ایسٹ انڈیا کمپنی 73,67
کراچی 116,45	ایکسپریس، انٹرنیشنل 142
کولکاتا 26,27,28,32,33,37,42	برہمن 34,44,52,70,71,72
92,79,73,149,125,115,80,73,72,70,43,	
گورنمنٹ 91,128,142,143	پارٹی، بھارتیہ 138,139,140
گوجرانولہ 58,128,149	144,141,
گودھر 143	پراگتناسجا 75
گوالیار 75,88,105,144	پیلی راکھی بندھن 42
مالابار 65	جین مت 76,90
ماہم، ممبئی 114	خلافت تحریک 92,93,102,109
مکہ معظمہ 48,66,69,95	دل، مہابیر 47
مہاراشٹر 41	رام مہینی 67
میسور 67	مت نام، فرقہ 67
ناگ پور 48	سنگھ، جی 48,102
نارودھا گاؤں 97	سنگھ، راشٹریہ سیکولر 102,138,141
نہرو دار 47	144,143,
ننگل 79,27	سنگھٹن، شہید 48,49,95
	سودیشی تحریک 42,43,88

28, 25	بنگ درشن	88, 87, 48, 43	کانگریس، آل انڈیا
55, 52	پران منوسمروتی	105-103, 102, 100-95, 90	
149	”تلاش ہند“	147, 127-125, 121-115, 112-109	
95	تیج، دہلی روزنامہ	139	کمیٹی شرمشی گوردوارہ پر بندھک
151, 150, 126, 110	دی سنشیمین	45	گنپتی، میلہ
66, 28	رامائن	88	گندھاروا، دیوالہ
76	ستیا رتھ پرکاش	105, 103, 102, 100	ایگہ 98
70	سمبد کویدی، کلکتہ	120, 117-115, 112, 110-107	
29	کرشن چتر	119, 102-100	مہ 8
32	کرم یوگن	74	میسن، فری
119	مانچسٹر گارڈین		دستاویزات، کتب، معاہدے، جریدے
151	نیوز کرائیکل	44, 39, 36, 34, 33, 29	25
75, 70, 69, 64, 62	55	149, 148, 89,	
150, 149, 93, 92, 83, 80, 79, 77,		70, 56, 5	آپتھ
150, 93	ینگ انڈیا	46	ارتھ شاستر
		153, 125	انڈین ایکسپریس
		127	انگش مین
		34, 32, 31, 28-25	بند 23
		90-87, 85, 63, 59, 49, 43-40, 36	
		115-107, 104-102, 99-96	
		130-125, 123, 121, 117	
		148-145, 141-135, 132,	